یورپی ادب پر اسلامی ادب کا اثر

[از ایچ - اے - آر - گب ، استاد علوم مشرقیہ جامعۂ آکسفورڈ
مترجمۂ جناب ابونصر محمد خالدی - حیدرآباد ، دکن]

اسلامی مشرق کا ادب ہم اہل یورپ کے مذاق سے اِس قدر دور ہے کہ غالباً ایک ہزار پڑھنے والوں میں سے ایک کے دل میں بھی اِس بات کا خیال نہیں آتا ہوگا کہ اِن دونوں میں کوئی تعلق بھی ہے - دوسری طرف تاریخ ادبیات کا طالبعلم اِس پورے مبحث ہی کو غیرمتعصبانہ شک و شبہہ کی نظر سے دیکھنے پر مائل ہو سکتا ہے، جو یہ جانتا ہے کہ یورپی ادب میں باوقات مختلف ، مشرقی ماخذوں کے متعلق ، دعوے تو بہت کچھ کیے گئے لیکن ثابت بہت کم کیا گیا ہے - بلا شبہہ بعض حقائق موجود ہیں ، جن سے کسی کو اختلاف نہیں ہے - قرون وسطی میں مشرق کے اخلاقی قصوں اور اِسی قسم کی دوسری کتابوں کی مقبولیت کا دائرہ وسیع تھا - انگلستان میں جو کتاب سب سے پہلے چھپی وہ اِسی قسم کی ایک عربی کتاب کے ترمیم شدہ لاتینی ترجمے کے فرانسیسی ترجمے کا ترجمہ تھی -

علاوہ ازیں، اٹھارھویں صدی عیسوی میں انگریزی اور فرانسیسی میں الف لیلہ کے کم سے کم تیس ایڈیشن نکلے اور اُس وقت سے لیکر اب تک یہی کتاب مغربی یورپ کی تمام زبانوں میں تین سو سے زیادہ مرتبہ چھپ چکی ہے - آج عمر خیام کے نام سے ایرانیوں سے کہیں زیادہ انگریزوں

اور امریکنوں کے کان مانوس ہیں - لیکن کیا مشرق سے مغرب میں یہ خلل اندازیاں کبھی کبھار ہوئیں یا اِن سے کسی عام رجحان کی تشریح ہوتی ہے ؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر یہ رجحانات کس طرح پیدا ہوئے اور اِنھوں نے ادب کے عام میلان پر کیا اثر ڈالا ؟

افسوس ہے کہ اِن میں سے کسی سوال کا جواب قطعیت سے نہیں دیا جاسکتا اور فی الحال جو تھوڑی بہت شہادت دستیاب ہوسکتی ہے اُس کی بنا پر اِس سے زیادہ کی کوشش نہیں ہو سکتی کہ صرف وہ خطوط تجویز کیے جائیں جن پر سے محولہ سوالوں کے جواب دریافت ہو سکیں -

اُن عناصر کو متعین کرنے سے زیادہ نازک اور کوئی مسئلہ نہیں ہے' جن سے اُس اثر کی کیفیت و کمیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوسکے جو ایک ادب دوسرے ادب پر ڈالتا ہے - ظاہر ہے کہ اِس کے لیے کسی طویل اور قریبی تاریخی تعلق کی موجودگی ضروری نہیں - گو یہ ہوتا رہا ہے کہ ایسے تعلقات کسی ایک یا دونوں متعلقہ قوموں پر اپنے نقوش چھوڑے بغیر نہیں رہتے - اور نہ یہ بات کوئی اہمیت رکھتی ہے کہ اُن کے تاریخی تعلقات خاص کر مخاصمانہ ہیں یا دوستانہ - یورپ کے تمام ادبیات کی تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ادبی رسم و رواج اور تحریکیں' فوجی سرحدوں ہی پر نہیں رکا کرتیں - تاریخی ربط سے زیادہ لازمی ' لیکن عام طریق استدلال سے ثابت کرنے میں زیادہ مشکل چیز ' آپس کا میل جول ہے - خواہ یہ انفرادی ہو یا دوطرفہ یا جیساکہ اکثر ہوا کرتا ہے ' علمی و یک طرفہ ؛ غرض اُس کے وجود کا اقرار یا انکار آخر کار مجبوراً صرف ادبی تجزیے ہی کے ذریعے ہو سکتا ہے -

سب سے زیادہ اہم جز ' سب سے زیادہ گم راہ کن ہے - کسی قسم کا عمل انتقال اُسی وقت ممکن ہے جب ایک یا دونوں طرف اثرپزیری کی

حالت موجود ہو ؛ یعنی دوسرا جو چیز پیش کرتا ہے اُس کو قبول کرنے کی خواہش ؛ جس میں پوشیدہ طور پر کسی نہ کسی شعبے میں ' اثر ڈالنے والے کی برتری مسلم ہوتی ہے - یہ ظاہر کرنے کے لیے کسی گہری تحقیق کی ضرورت نہیں‌کہ عربی یا فارسی ادب کا رنگ اختیار کرنے میں یورپ کی اثرپذیری ' وقت اور وسعت دونوں اعتبار سے بالکل محدود تھی - مغربی ادبیات کے لاتینی ' اس لیے نشأۃ ثانیہ ' اور یونانی اثرات کو مسلسل جذب کرتے رہنے اور مشرقی ادب کے اجزا گاہے گاہے اختیار کرنے اور نیم خفیہ طریقے سے اُس میں تصرف کرتے رہنے میں کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا - مشرقی فن ادب کی کلی طور پر یورپی ادب میں منتقل ہونے والی کوئی چیز مشکل ہی سے پائی جاتی ہے؛ لیکن انفرادی حیثیت سے اُصول فن کے مبادیات اور کبھی کبھی ادب کی بعض مسلمہ تحریکوں کو کامیابی سے منتقل کیا گیا - اِن اصولوں میں سے فلاں کیوں انتخاب کیے جاتے رہے اور دوسرے کیوں چھوڑ دیے جاتے رہے ؟ تو بڑی حد تک اِس کا تعلق قومی و عمومی نفسیات کے مسئلے سے ہے- بہر طور یہ بات قابل ذکر ہے کہ مشرقی ادب نے مغربی ادب کو اپنے اختلافات سے ' جو اُس میں اور مغربی ادب میں تھے ' اِتنا متأثر نہیں کیا جتنا اپنی مماثلتوں سے - یورپ کے ادبی مذاق نے مشرقی ادب کی اُن خصوصیتوں کو کبھی قبول نہیں کیا جو نمایاں طور پر اُس سے کوئی لگاو نہیں رکھتی تھیں ؛ بلکہ اُن کے بجاے ایسے اُصول فن اُس کے زیادہ جاذب توجہ رہے ہیں جن کے جراثیم' یورپی ادب و فلسفہ میں پہلے سے موجود تھے یا آزمائشی‌طور پر اُن کی نشو و نما شروع ہوچکی تھی - ایسی صورتوں میں مشرقی ادب کی مماثلتیں اُس دروازے کا کام دیتی تھیں جس کو مغرب کھٹکھٹا رہا تھا یا وہ خود اپنے طرز ادا کی رنگیلی و تابناکی کی وجہ سے

ایسی قبولیت عام حاصل کرچکے تھے کہ اُنھوں نے اُن شاہراھوں کو مدور کر دیا جن پر یورپی تحریکوں کو چلنا چاھیے تھا - اِس سے یہ نتیجہ نکالنا نہیں ھے کہ اُنھوں نے کوئی معیار مقرر کردیا تھا یا کسی ایسے نمونے کا کام دیا تھا جس کی بے چون و چرا تقلید کی جائے ! اِس کے برخلاف اھل یورپ کا طبعی رجحان ، ادب کی جس شاخ کی طرف تھا اُس کی ترقی یا وسعت اپنے مخصوص طرز ھی پر ھوئی ؛ جس میں مشرق کو کوئی دخل نہیں تھا - بلکہ بسا اوقات وہ اپنے مشرقی پیشرووں سے بالکل ناواقف ھی رھتے تھے -

مشرقی اور کلاسکی ادب نے علی الترتیب جو اثرات ڈالے ھیں ؛ اُن دونوں کے درمیان مشابہتیں تلاش کرنے کی کوشش کرتے وقت ، اُن کے باھمی فرق کو نظر انداز کرنا پڑے گا اور یہ فرق صرف کمیت ھی کا نہیں بلکہ کیفیت کا بھی ھے - عرب و ایران کا ادب اصلاً ''رومانی'' ھے - ایسے طالب علم کو جس کی تربیت ، ادبی خوبیوں کے یونانی مطمح نظر کے تحت ھوئی ھو ؛ اُس کو اِس ادب میں وہ صفات بہت ھی کم ملیں گی جو یونانی ادب کے سدا بہار گلشن کی دلکشی کا باعث ھیں - عربی و فارسی طرز انشا ، یونانی اسلوب نگارش کے مساوی بلکہ اُس سے مکمل تر ھوتا ھے - لیکن یونانی میں تنوع ھے تو عربی میں یکسانی اور اِس میں شان و شکوہ ھے تو یونانی میں سنجیدگی -

کلاسکی ادیب ، سنجیدگی و سادگی کے ذریعے عظمت حاصل کرتے ھیں اور مشرقی ، تابناک و معنی‌خیز زبان استعمال کرتے ھیں اور اُس کی تزیین و آرائش ، اکثر دور از قیاس اور بعض خیالی تشبیہات و استعارات سے کی جاتی ھے - یونانی ، حسن کے ذریعے سے عقل کو اپیل کرتا ھے اور عرب یا ایرانی ، حواس اور تخیل کے تار کو حسن ادا کے رنگین

مضراب سے چھیڑنے کی کوشش کرتا ہے - یہ دعویٰ' متکبرانہ اور غیر محتاط تعمیم سے زیادہ ' لیکن حقیقت کے عنصر سے خالی بھی نہیں ہے کہ یونانی ادب تخلیقی؛ اور مشرقی ادب بنیادی طور پر مصنوعی اور علم و حکمت کے اوصاف سے عاری ہے ۔ اسلامی ادیب کی بڑائی اِس میں ہے کہ وہ اپنے خیال کی اعلیٰ حقیقت کو رومان کی زبان میں پیش کرتا ہے - لیکن اِس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ مشرقی اور یورپی اسپرٹ میں اصلاً تضاد ہے - تضاد کا وجود تو ضرور ہے لیکن یہ تضاد ' مشرقی اور کلاسکی اسپرٹ میں ہے - یورپی ادب میں کلاسکیت ہمیشہ باہر سے عائد کی گئی ہے - ادب العوام خصوصاً شمال اور مغرب کے ادب العوام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی ادبیات کی اسپرٹ سے اِن دونوں کا باہمی تعلق زیادہ قریبی ہے - دونوں کے باہمی احساس اجنبیت کا سبب ' اِن کا بُعد مکانی اور ناواقفیت ہے - جب کبھی اِن دونوں کی غیریت کا پردہ چاک ہوا تو مشرقی اثرات کی رَو نے یورپی ادب کے مقبول عام دھاروں میں عموماً اِس حد تک قوت پیدا کردی کہ وہ کم و بیش کامیابی کے ساتھ کلاسکی فضیلت کو دعوت مبارزت دینے کے قابل ہوگئے -

اِسی واقعے' یعنی قرون وسطیٰ میں مشرقی عناصر کے سرایت کرنے اور قبولیت عام حاصل کرنے ' نے اپنے عمل نفوذ پر اور زیادہ پردہ ڈال کر اپنے اثرات کو نہایت پیچیدہ بنا دیا ہے؛ اس لیے اکثر صورتوں میں' تاریخی تنقید کے مروجہ قاعدوں سے اِس اثر کو ثابت کرنا مشکل ہے - یہ مشکل اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ؛ کیوں کہ دونوں طرف کے ادب العوام کا بیشتر حصہ تلف ہو چکا ہے - حتیٰ کہ ہماری ادبی تاریخوں سے بھی اِس بات کا پتا لگتا ہے کہ علی العموم عربی زبان کے ادیبوں اور یورپی عالموں' دونوں نے عوام کے قصے کہانیوں اور گیتوں سے بنظر حقارت علحدگی اختیار کر رکھی

تھی - یہ باور کرنے کی ہر ایک وجہ موجود ھے کہ ادب العوام کے متعلق موجودہ زمانے کی تحقیقات' تمام مغربی یورپ میں پھیلے ہوئے اُس مواد و اصول ادب ' دونوں کی وسعت و اشاعت پر پوری روشنی ڈالے گی ' جو براہ راست مشرق سے اخذ کیے گئے ھیں - ممکن ھے کہ اِس کا اثر آٹھویں صدی عیسوی[1] ھی سے پڑنا شروع ھو گیا ھو؛ لیکن مشرقی اثرات کا سوال خاص کر اُس وقت پیدا ھوتا ھے جب کہ مقامی ادب ترقی کرنے لگے تھے -

سب سے پہلا مسئلہ ھی شائد سب سے زیادہ مشکل ھے - اور اُس کے سب سے زیادہ ما بہ النزاع ھونے میں تو کوئی شک ھی نہیں - گیارھویں صدی عیسوی کے اختتام پر جنوبی فرانس میں یکا یک ایک نئی قسم کی شاعری وجود میں آئی جس کا صرف موضوع ھی نیا نہیں تھا ' بلکہ اُس کے اجتماعی نفسیات اور طرز ادا بھی نئے تھے- فرانس کے ابتدائی ادب میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو اِس ارتقا کی طرف راہنمائی کرتی ھو - دوسری طرف' اِس جدید شاعری اور اِسی زمانے کی' اسلامی اسپین کی' شاعری کی ایک خاص صنف میں بعض غیر معمولی مشابہتیں پائی جاتی ھیں - اِس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا فرض کی جا سکتی تھی کہ پراونس کے ابتدائی شعرا ' عربی نمونوں سے متأثر ھوئے ھوں ! چنانچہ صدھا سال تک یہی نظریہ بلا چون و چرا تسلیم کیا جاتا رھا - اِس خیال کو کبھی کسی شخص نے ایسے وثوق یا ایسی تعمیم سے نہیں

1—ملاحظہ ھوں پروفیسر لیو وائنر (Leo Wiener) کے فاضلانہ دلائل جو اُنھوں نے عربی اثرات کے غوطی (Gothic) واسطے کی حمایت میں پیش کیے ھیں - ''غوطی تہذیب کی تاریخ کی چند تکمیلی خدمات'' جلد اول - نیو یارک - سنہ ۱۹۱۷ء - (Contribution towards a History of Arabico-gothic culture) خاص کر وہ باب جو مارو نحوی (Maro) پر مشتمل ھے -

پیش کیا، جیساکہ گیامیرابربیری [1] نے احیاے کلاسک کے پورے عروج کے زمانے میں پیش کیا تھا [2] - اٹھارھویں صدی کے اختتام پر جب عہد وسطیٰ کے مطالعے کا شوق دوبارہ شروع ھوا (اور یہ وہ زمانہ ھے جب کہ عوام کے تخیل پر، ھنوز، مشرقی رومانس مسلط تھا) تو عام راے پراونسی اور عربی شاعری کے قریبی تعلق کے خیال کی برابر حمایت کرتی رھی؛ جن میں سسملدی [3] اور فوریل [4] سب سے پیش پیش تھے - اُنیسویں صدی عیسوی کے وسط میں جا کر کہیں رومانسی لسانیات کے عالموں اور مستشرقوں، دونوں میں اِس کا رد عمل نمودار ھوا - نقادوں نے پراونس اور اندلس کے باھمی تعلقات کی تحریری شہادت طلب کی اور جب اِس میں ناکامی ھوئی تو انتہائی مخالف پہلو کی طرف جھک گئے - اگر کوئی شخص بغیر کسی عناد کے کسی نہ کسی حد تک اِس رد عمل کو غیرمعتدل جذبۂ قومیت سے، جو تمام مغربی قوموں کی روح و رواں ھے، منسوب کرے تو یہ ماننا پڑےگا کہ کسی خوددار رومانسی عالم کے لیے مشہور مستشرق ڈوزی [5] کی اِس متکبرانہ راے کے خلاف اسلامی اثرات کے نظریے کی حمایت کرنا بعید از قیاس ھے :— ''ھم خیال کرتے ھیں کہ یہ سوال بالکل ھی لغو ھے - ھماری خواھش ھے کہ اب اِس پر مزید بحث نہ ھو - اگرچہ ھمیں اِس کا یقین ھے کہ اِس پر ابھی بہت دن تک بحث ھوتی رھے گی - خیر - ھر شخص کو اُس کا جنگی گھوڑا مبارک [6] -'' اِسی وجہ سے ایسا معلوم ھوتا ھے کہ رائج‌الوقت راے اِسی

1—Giammeria Barbieri

2—''قافیہ‌دار شاعری کی اصل'' Dell' Origine alalla Posia Rinata. pd. by Traboschi,

3—Sismondi - 4—Fauriel Modena, 1790 - 5—Dozy

6—تاریخ اسپین پر تحقیقی مقالے Recherches Surl'historie..........de L 'Espagne. ۱۸۸۱ - تیسری اشاعت - جلد دوم - ضمیمہ - نشان I xiv - ذیل -

بنیاد پر قائم ہے! مثلاً موسیو آنگلے[1] اِس رائے کے نمائندے ہیں - کہتے ہیں :— ''یہ سوال نہ صرف ظاہری شکل میں بلکہ مادی طور پر بھی طروبوں (troubadour) کا پیدا کیا ہوا ہے''۔

موافق و مخالف دونوں رائیں پورے وثوق سے بیان کی گئی ہیں ؛ لیکن فی‌الحقیقت بڑی حد تک دونوں محض قیاس پر مبنی ہیں - مستشرقین کی طرف سے موجودہ زمانے تک بھی اِس مسئلے کی باقاعدہ چھان بین بہت ہی تھوڑی بلکہ نہیں کی گئی ؛ لیکن جو نئی شہادتیں منظر عام پر آرہی ہیں اُن سے اِس بات کے متعلق ہر قسم کے شک و شبہہ کا ازالہ ہو جاتا ہے کہ جنوب کے شعری ارتقا نے ابتدائی پراونسی شعرا پر واقعتاً کچھ نہ کچھ اثر ضرور ڈالا ہے[2] -

پراونسی شاعری کی اِس جدت کا راز' اپنے موضوع کے رسمی و تقلیدی طرز ادا میں مضمر ہے ؛ نہ کہ خود موضوع میں - یہ پرجوش محبت ' جس کا اظہار بہ کثرت خیالی تشبیہوں اور ادبی نزاکتوں کے ذریعے کیا جانے لگا تھا ' وہ محبت نہیں ہے جس کا اظہار عوام کے سیدھے سادے جذباتی گیتوں میں ہوتا تھا - یہ ایک جذباتی اصول' رومانی مسلک اور مرضیاتی حالت ہے جس کو مصنوعی طور پر قوی کیا جاسکتا ہے - اِس کا مطمح نظر دوشیزہ کی ذات سے حاصل نہیں ہوتا - بلکہ بیوی سے جس کی پرستش و خدمت سے شاعر کو ایسی اخلاقی قوت حاصل ہوتی ہے ' جو اُس کی زندگی کو مالامال کردیتی ؛ اور اُس کے جوہر شرافت کو

1—Monsieur Anglode

2—مشکل ہی سے یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے گا اُس کا مقصد دوسرے تہذیبی ماخذوں جیسے لاطینی ' یونانی وغیرہما سے انکار کرنا نہیں ہے اور نہ مقامی نشو و نما کی وسعت کو ناقابل اعتنا سمجھنا ہے -

چمکا دیتی ہے۔ محبت کا یہ فن، یہ خاتونی مسلک کہاں سے آیا؟ یہ چیز اُن رائج الوقت رسم و رواج سے پیدا نہیں ہوئی جو تیوتانی یا رومانسی ادب العوام سے ظاہر ہوتے ہیں - برانتیر [1] نے لکھا ہے کہ ''کرۂ ارض پر ہر زمانے اور ہر جگہ، قانون قوت و بربریت کے ہاتھوں، عورت جتنی ذلیل و خوار ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ اُتنی ہی ذلیل و خوار وہ عہد وسطی کی پورژوا زندگی میں بھی رہی''۔ یہ بات صنف نازک کے لیے فداکاری کے اُن جدید تصورات میں بھی کسی طرح مضمر و مقدر نہیں تھی جنھوں نے اب اعلی طبقے کے لوگوں میں بھی اپنی روح پھونکنا شروع کردی تھی - ایسی مصنوعی جذبات پرستی اور اُس کے عسکری مسلک میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے - عورتوں کے متعلق اِس جدید مسلک کا تصور، کلیسائی تصور دوشیزگی کے بالکل مخالف ہے - اگر یہ چیز پیشہ ور شاعر اور اُس کی مربیہ کے فطری تعلقات سے پیدا ہوئی ہوتی تو اِس کا لہجہ زیادہ انکسارانہ ہوتا - اِس جدید رجحان کا سراغ لگانے میں عہد زریں یا عہد سیمیں کا یونانی، لاتینی ادب کسی نفسیاتی بنیاد کا کام نہیں دیتا - تاہم اِس کی بنیاد، نمایاں طور پر، مسلمہ ادبی روایات پر رکھی جاتی ہے؛ اس لیے ادبی روایات کے اِس اِمکانی ماخذ کو کم از کم عربی اسپین کی شاعری میں تلاش کیا جاسکتا ہے [2] -

گیارھویں صدی عیسوی تک، عربی شاعری پر، نشو و ارتقا کا ایک طویل دور گزر چکا تھا - لیکن اِس طویل دور میں، اُس پر کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا؛ جب کہ عشق و محبت اُس کا ایک خاص سرچشمہ نہ

1—Brunetiere

2—اِس موضوع پر مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو برداخ کی کتاب ''قرون متوسطہ کی عشقیہ شاعری کی اصل'' (K. Burdach's "Uber den urspring den mittelälterlichen minneasangs" in S. B. preuss. Akad. Wim., 1918.)

رہا ہو - بدویت کی قدیم فنی شاعری؛ صاف و شستہ زبان میں کھنچی ہوئی روایتی لفظی تصویروں، طویل تشبیہوں؛ مرکب بحروں اور بےعیب قافیہ پیمائی، سے بھری پڑی ہے، (اور مغربی زبانوں میں سب سے پہلے عربی زبان ھی نے مکمل قافیے کو اپنی نظم کا جزو لازم قرار دیا ھے) - اور اُس میں ہر قصیدے کا کسی محبوبہ کے بچھڑ جانے کے ماتم سے شروع ہونا ضروری ھے؛ جس کی یاد، اُجڑے ہوئے رزم‌گاہ کی بازدید سے، تازہ کی جاتی ھے- شاعری جب شہروں میں منتقل ہوئی، تو عشقیہ محرک، زیادہ قوت سے اثر ڈالنے لگا؛ اور ایک نئی شایستگی نے کھلی لذتیت [1] کی جگہ لےلی - قصیدے کے بجاے مختصر عشقیہ نظمیں رائج ہوئیں؛ جن میں شاعر، خود اپنے ذاتی جذبات اور اپنی شخصیت، ظاہر کرنے لگا - جب تک عربی شاعری، معین اسلوبوں اور مقرر قاعدوں کی پابند نہیں ہوئی؛ اُس وقت تک وہ اِس نئے سرچشمے سے لطف‌اندوز ہوتی رہی - یہ شاعری قید و بند سے آزاد تھی؛ مسرت خیز تھی؛ اور زندگی سے مطابقت رکھتی تھی - ایک طرف تو درباری شاعروں کے ہاتھ میں پڑ کر، وہ ادنیٰ جذباتی اور ناقابل التفات مصنوعی شاعری ہو کر رہ گئی؛ جس میں اصلی جذبات کی گرمی کے خلا کو پر کرنے کے لیے ھیجان‌آور موسیقی میں، ادبی صناعیاں جمع کی جاتی تھیں - عوام میں اُس کو ایک نئے ھی فن میں کام دینا پڑا؛ یعنی کشتۂ محبت، نوجوان عاشق کے رومانس کے لیے، جس کی زندگی خالص جذبۂ محبت میں کسی ناقابل حصول اور خیالی محبوبہ کے قدموں پر نثار ہو جاتی ھے - پھر پر عظمت اور روحانی عشق کی اِس لفظی نقاشی میں جو تصوری عناصر موجود تھے، اُن سے صوفیوں نے اپنے محبوب سے روح کی لافانی محبت کو مجازاً ظاہر کرنے کا کام لیا -

---

Hedonism—1

عربی و فارسی، دونوں کی، صوفیانہ شاعری پر، ارضی محبت کا بےباک حسی تخیل کارفرما ھے - بعض عرب شاعروں نے، جس کو پرشکوہ لفاظی اور عربی زبان کی متداول تشبیہوں اور استعاروں میں بیان کیا تھا ؛ اور جس کو دوسروں نے، مابعد الطبیعیاتی خیال آرائی سے پاک و صاف اور نازک بنا دیا تھا ؛ اُس میں ایرانیوں نے ایک نئی حلاوت و سادگی پیدا کر دی، جس کی تزیین، لطیف خیال آرائیوں سے کی گئی - یہ چیز قدرتاً ایرانیوں کے تخیل سے پیدا ھوتی ھے - عشقیہ شاعری کے اِن سب نمونوں کی سرنوشت میں، یورپ کی تاریخ ادبیات میں حصہ لینا لکھا تھا -

اِس نئی عشقیہ شاعری کی سب سے زیادہ قابل توجہ خصوصیت یہ ھے کہ اِس میں خالص روحانی محبت (جس کو اصطلاحاً فلاطونی محبت کہا جاتا ھے) کے معین ادبی قوانین پیدا ھو جاتے ھیں، جس کے ساتھ محبت کا معاشری و اخلاقی نظریہ بھی شامل رھتا ھے ! یہ خدمت نمایاں طور پر اسلام نے انجام دی ھے - آٹھویں صدی عیسوی کے آخری زمانے ھی میں دربار بغداد کے بعض شعرا نے اپنی شاعری کو خاص اِس قسم کے فن عشق کے نذر کر دیا تھا - پوری ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ ایک نوجوان، جس کی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں؛ اور جس کو اسلام کے ایک انتہائی پرھیزگارانہ دبستان شریعت کے بانی کی اولاد و جانشین ھونے کا فخر حاصل تھا ؛ اپنی عدیم‌المثال دلچسپ کتاب میں، قوانین محبت مدون کرتا ھے - ابن داؤد نے اپنی کتاب العشق میں عشق کے ھر رخ کی وضاحت اشعار سے کرتے ھوئے اُس کی حقیقت، اُس کے قوانین اور اُس کے طریق اظہار و اثرات کی تفہیم اور اُس کی تقسیم کی ھے - اور یہ سب کچھ اُس تصور کی روح کے مطابق،

جس کو اسلامی روایات نے نبی صلعم سے منسوب کیا ہے کہ جس نے محبت کی، پاک دامن رہا ، اور اپنی محبت کو چھپاتا رہا ، اور اُسی حال میں جان دی، تو اُس نے شہادت حاصل کی [1] -

دنیاے اسلام کے تہذیبی اتحاد کی وجہ سے اِن شاعرانہ فنون کا اسپین میں بھی ترقی کرتے رہنا یقینی تھا - عام آبادی کے عربی و اسپینی عناصر کی آمیزش و اتحاد، اور شمال کی نصرانی قوتوں سے پیہم کشمکش کی وجہ سے، یہاں اِن فنون کی ترقی بیرونی اثرات سے الگ آزادانہ خطوط پر ہوئی - عربی ادب کے کسی دور میں بھی آبادی کے ہر طبقے میں ذوق شعریت اِس قدر وسعت سے نہیں پھیلا - اور ذوق شعریت عبارت ہے قلب و دماغ کے حسن و خوبی کے اثرات کو اخذ و قبول کرنے کی صلاحیت اور اُن اثرات کو پرجوش و دل آرا طریقے سے الفاظ کا جامہ پہنانے کی قوت سے - بےشمار معروف و غیرمعروف شاعروں میں سے سعید ابن جودی کی سرودی نظمیں مثال کا کام دے سکتی ہیں، جن کو ڈوزی [2] نے بھی نقل کیا ہے - اُن میں بھی فلاطونی محبت کا تصور عام طور پر قبول کر لیا گیا ہے - مسلمانوں میں ابن حزم کا نام اپنی مذہبی خشکی اور سخت مناظرہ پسندی کی وجہ سے ضرب‌المثل ہے ؛ اور مذہب کے تقابلی مطالعے کے علم کا بانی ہونے کی حیثیت سے مغرب میں اُس کا احترام کیا جاتا ہے! تاہم اِس شخص نے بھی عشق کے موضوع پر ایک رسالہ سپرد قلم کیا ہے اور خود اپنے اشعار سے وضاحت

1—من عشق و عف و کتم و مات فمات شہیدا -

2—"تاریخ مسلمانان اسپین" (Historie des Musulmans de L' Espagne) جلد دوم' صفحہ ۲۲۷ - انگریزی ترجمہ از استوک (Stokes) "اسپینی اسلام" (Spanish Islam) صفحات ۳۳۲ تا ۳۳۵ -

کرتا گیا ھے - یہ رسالہ کتاب‌العشق [1] کے ھم‌پلہ ' بلکہ اُس سے بھی بڑھا ہوا ھے - فلاطونی محبت کے نظریے کو ابن حزم اِس حیثیت سے قبول کرتا ھے کہ اُس کے ذریعے سے کسی جذبات سے عاری شخص کا اعلیٰ جوھر ارضی اتحاد حاصل کرتا ھے - اُس انتہائی خالص رومانیت کی روح سے وہ تحلیل محبت بے نقاب ھوتی ھے جو آنے والی صدی میں کئی حیثیتوں سے متعدد طروبوں [2] کی خصوصیت ھے؛ لیکن جس کی تابناک عظمت تک وہ مشکل ھی سے پہنچ سکتے ھیں -

ھرچند کہ اندلسی [3] شاعری کا بہت بڑا حصہ سادہ' پرجوش اور فطری تھا تاھم جو کچھ ھم تک پہنچا ھے وہ زیادہ تر درباری شاعروں (خواہ عورتوں کا ھو یا مردوں) کا پرتصنع کلام ھے - یہ شعرا اپنے فن کے وہ خواص تھے جن سے اُمرا و وزرا بھی مسابقت کرتے شرماتے تھے - نہیں' بلکہ وہ خود اُمرا و وزرا سے کسی طرح کم نہیں تھے - اندلسی تہذیب کی اِس درباری عمارت میں رفتہ رفتہ شاعرانہ صنعت گری کا ایک نیا ایوان تیار ھوا - منظوم قصوں اور یک قافیہ نظموں کے ساتھ ساتھ جن کے اشعار کی بحریں اور اوقاف مساوی ھوتے تھے؛ اندلسی عشقیہ نظموں میں' شاعر' ایک نئی ترکیبی وضع کو ترجیح دینے لگے' جس کے ھر مصرع میں طویل ردیفیں اور پیچیدہ عروضی ترکیبیں ھوتی تھیں - گو اب بھی اُن میں لفظی وزن کی پیروی کی جاتی تھی - لیکن معلوم ھوتا ھے کہ طروبوں کی شاعری تک پہنچنے کےلیے صرف ایک ھی زینہ باقی رہ گیا تھا - طروبوں کی شاعری

1—ابن حزم متوفی ۱۰۶۴ م طوق الحمامۃ - اِس کو پیٹرات (Petrof) نے اپنے مقدمے کے ساتھ لیدن سے ۱۹۱۴ م میں شائع کیا -

Troubadours—2

Spanish-Arabic—3

بھی اصلاً فنی شاعری تھی، جو درباریوں اور درباری شاعروں کی پیدا کی ہوئی تھی - جس میں مصنوعی قاعدے ، قانون اور مرکب بند استعمال کیے جاتے تھے - اب ایک ہی مشکل کا حل باقی رہ جاتا ہے - ابتدائی طروبوں میں سے کوئی بھی عربی نہیں جانتا تھا ! تو پھر اِس فن کو اندلس سے پراونس میں منتقل کرنے والا درمیانی واسطہ کیا تھا ؟

یہ بات کھلم کھلا تسلیم کرلینا چاہیے کہ گو توزی کے زمانے سے اب تک بہت سی چیزیں منظر عام پر آچکی ہیں ، لیکن ابھی تک اِس مسئلے کا مکمل حل نہیں پیش کیا جاسکتا - یہ بات اب اِتنی اچھی طرح ثابت[1] ہوچکی ہے کہ اِس میں مزید بحث کی گنجائش نہیں - وہ یہ کہ اندلس کے ''موروں'' کی غیر معمولی تعداد صرف نسلاً ہی اسپینی نہیں تھی ؛ بلکہ اعلیٰ سے لےکر ادنیٰ تک ، سب کے سب ؛ عادتاً ، بغیر اجنبیت محسوس کیے، رومانسی زبان سمجھا اور بولا کرتے تھے - اسپینی مسلمانوں نے عربی تہذیب کو اپنے آپ میں جذب کرنے کے علاوہ اُس میں اضافہ بھی کیا - چنانچہ اندلسی تہذیب کی بہت سی نمایاں خوبیاں اِسی اختلاط و امتزاج کی رہین منت ہیں - اندلس کے وہ عیسائی باشندے جو نیم عرب (جیسا کہ خود لفظ مستعربہ سے ظاہر ہے) ہوچکے تھے ؛ اکثر عربی ادب سے بھی بخوبی واقف ہوا کرتے تھے ! جب موقع ملا تو اُن لوگوں نے شمالی سلطنتوں میں اسلامی تہذیب کے بہت سے پودے منتقل کیے - تاریخ نظم اندلس میں کچھ اِسی قسم کا عمل اثراندازی و اثرپذیری پنہاں ہے ؛ اور تاریخ نظم اسپین میں تو یہ بہت زیادہ ہے - اسپینی دماغ نے استروفی[2] طرز کے عروض کی ترقی میں بڑا حصہ لیا ہے ؛

1—رابے بیرا (Don Julion Ribera) ''مقالات و رسائل'' Diser tacionesy Opusclos میڈرڈ سنہ ۱۹۲۸ م - جلد اول ص ۱۲ تا ۳۵ و ۱۰۹ تا ۱۱۲ -

2—Strophe

لیکن اُس کے رد عمل میں، وہ فنی خوبیاں، جن پر عربی عروض و قافیہ کے قوانین نے، اپنی ادبی صورت یعنی موشحہ کے ذریعے استروفی طرز عائد کردیے تھے؛ مقبول عام ذولسانی گیت (زجل) میں دوبارہ ظاہر ہوئیں اور اِسی ذریعے سے یہ فنی خوبیاں خالص رومانسی شاعری میں داخل ہوئیں -

مقبول عام Villancico یعنی دیہاتی گیت اور زجل کے ہم‌جنس ہونے پر مشکل ہی سے بحث کی جاسکتی ہے - خواہ رومانی گیتوں میں عام طور پر ثابت شدہ عربی عناصر کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں، یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ اِس عمل تاثیر و تأثر کا دائرہ صرف اُصول فن یا صرف ایک خاص قسم کی شاعری ہی تک محدود رہا ہوگا - عربی و اسپینی دونوں روایات کی ترکیب و آمیزش دکھانے کے لیے اسپینی زبان کے نثری ادب میں "تاریخ عام"[1] متوازی مثال کا کام دیسکتی ہے[2] -

اِس طرح ارتباط کا ذریعہ وہی ہردلعزیز زجل اور اُس کی ہم‌شکل رومانی چیز دیہاتی گیت تھی - خوش قسمتی سے اِس ہردلعزیز ادب کا ایک قیمتی حصہ تلف ہونے سے بچ گیا ہے - یہ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب نظموں کا مجموعہ ہے جس کو ابن خزمان نے بارھویں صدی کے ابتدائی زمانے میں روز مرہ کی پیچ میل زبان میں لکھا ہے - گو ابن خزمان ابتدائی دور کے طروبوں کا ہم عصر تھا؛ تا ہم خود اُس کو اعتراف ہے کہ اپنی نظموں میں اُس نے مسلمہ قواعد و ضوابط ہی کی پیروی کی ہے - اُس کی شاعری بلحاظ وزن و فن عربی ہی ہے - لیکن اُس میں عروضی

Croniea general—1

2—ملاحظہ ہو کیلّی (Fitzmaurice-kelly) " اسپینی ادبیات کی ایک جدید تاریخ" (A new history of Spanish Literature)، سنہ ۱۹۲۶ م، ص ۲۳؛ اور پیڈل کی "دیہاتی گیتوں کا مجموعہ" : (R. Menendez pidal's El Romancero)

انقلاب کے مکمل ہونے کے آثار موجود ہیں—اس لیے کہ اب وزن کا انحصار نبرے پر ہوگیا تھا نہ کہ لفظ پر - اُس کے بند '' طائفہ '' کے گیتوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر فن‌کارانہ طور پر ترتیب دیے گئے تھے - جیساکہ رائےبیرا نے واضح کیا ہے اُس کی اکثر نظمیں ڈرامائی قصے ہیں' جو جہاں‌گشت نقالوں کے کھیلنے کے لیے تیار کیے گئے تھے - اُس کے بندوں کا ' ابتدائی پراونسی شعرا کے عروضی نظام سے مقابلہ کرنے سے' دونوں میں قابل لحاظ مشارکت عیاں ہوتی ہے - ولیم پائٹوی[1] کی بعض نظمیں تو اُن ہی بحروں میں لکھی گئی ہیں جن کو ابن خزمان نے استعمال کیا تھا ؛ اور بعض نظمیں ایسی ہیں جن میں ابن خزمان کی استعمال کردہ بحروں سے کچھ ہی مختلف بحریں استعمال ہوئی ہیں - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحریں ابتداءً تو ''طائفہ'' کے گانے کے لیے' وضع کی گئی تھیں؛ لیکن اُنھیں انفرادی گیتوں کے لیے بھی قابل استعمال بنا لیا گیا تھا - علاوہ ازیں' پراونسی شاعروں کی بے راہ‌روی و بے اصولی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا عروض استعمال کر رہے ہیں جو ابھی تک خود اُن کے یہاں عام طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا - دراں‌حالیکہ اندلس کی طائفہ شاعری ' اپنی موسیقانہ اور وزنی ضروریات کی وجہ سے عربی نمونوں سے اِس قدر مطابق تھی کہ اُس کا اثر الفانسو الملقب بہ حکیم [2] کی نظموں اور نسبتاً بعد کے اسپینی شاعروں کی پراونسی شاعری سے اب بھی ممتاز کیا جا سکتا ہے [3] -

ایک آخری موضوع پر ابھی بحث کرنا باقی ہے - ابن خزمان کی نظموں میں کسی طرح وہ شایستہ جذبات نہیں جھلکتے جو اندلس کی

1—William of Poitiers   2—Alfonso the Wise

3—رائے بیرا کی مذکورہ کتاب ' ج ۱ ' ص ۳۵ تا ۹۲ -

درباری شاعری کی خصوصیت ھے؛ اور نہ اُن سے مروجہ گیتوں کے سچے رومانس ھی کا اظہار ھوتا ھے - گو ولیم پائٹوی کی شاعرانہ پیداوار اِس قسم کے گندہ اخلاق کے اثر سے زیادہ پاک نہیں ھے ؛ تاھم اندلس کی اِن عامیانہ نظموں اور پراونس کے درباری شاعروں کے قدیم مطمح نظر میں زمین آسمان کا فرق معلوم ھوتا ھے - لیکن ابن خزمان کی شاعری سے اسپین کے عربی معاشرے کے' حیرت انگیز زوال کا ' پتا لگتا ھے - عرب نثار اپنی تحریروں میں' مشہور نظموں کے جو اشعار کہیں کہیں نقل کرتے ھیں ' اُن کے دیکھنے سے' بظن غالب یہ اندازہ ھوتا ھے کہ دوسری مقبول عام شاعرانہ پیداوار میں' درباری شاعری کے تصورات' زیادہ صحیح طور پر منعکس ھوتے ھیں! یہ بات خاص کر گیارھویں صدی میں زیادہ نمایاں ھے' جب کہ اندلس کی تہذیب کا آفتاب اپنے نصف‌النہار پر تھا -

شہادتوں کے اِس مختصر سے تبصرے سے' یہ بات صاف طور پر معلوم ھوتی ھے کہ اندلس کی درباری شاعری اور پراونس کی شاعری میں بلحاظ کیفیت و کمیت جو متجانس عناصر پائے جاتے ھیں' اُن کے موجود ھوتے ھوئے یورپی ادب پر اسلامی اثر کے نظریے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - بہت سے ایسے گوشے بھی ھیں جو ھنوز وضاحت طلب ھیں' اور اِس کے سوا دوسرے مسائل بھی ھیں جن پر غور کرنا ھے؛ جیسے اندلسی اور پراونسی شاعری میں راگ کے لوازمات' جو زیر بحث مسئلے پر بہت کچھ روشنی ڈال سکتے ھیں [1] - علامہ مائکیل [2] کا دعوی

1—ملاحظہ ھو راے‌بیرا کی کتاب ''قرون متوسطہ کی عربی موسیقی کی تاریخ'' سنہ ۱۹۲۷ء Historia de la musica Arabe Medieval ؛ اور فارمر (H. G. Farmer) کی کتاب ''عربی موسیقی کے اثرات کے متعلق چند تاریخی حقائق'' سنہ ۱۹۳۰ع (Historical Facts for the Arabian musical influence) - یہاں ایک (ملاحظہ ھو صفحہ ۲۰۲)

ہے کہ "جس طرح اہل یورپ اپنے مذہب کے لیے ارض یہود کے رہین منت ہیں، اُسی طرح اپنے رومانس کے لیے وہ خطۂ عرب کے زیربار احسان ہیں[1]"۔ اگر ہم صاحب موصوف سے فی الحال پوری طرح متفق نہیں ہو سکتے، تو کم سے کم یہ کہنا تو حق بجانب معلوم ہوتا ہے کہ عربی شاعروں نے، یورپ کی جدید شاعری کے عروج و ارتقا میں، کسی نہ کسی طرح ضرور حصہ لیا ہے -

دوسرا خطہ، جہاں سے یورپ پر اسلامی اثرات پڑ رہے تھے، صقلیہ کی نارمن بادشاہت ہے ؛ جن کی روایات کو خاص کر شہنشاہ فریڈرک ثانی نے قائم و جاری رکھا تھا - اِس میں تو کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہے کہ عربی شاعری، نارمن بادشاہوں کے دربار میں بھی پھولتی پھلتی رہی - لیکن اگر تمام اِبتدائی شعری پیداوار تلف نہ ہوئی ہو، تو ہم کہہ

مختصر ذیلی فقرے میں اجمالا اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا جا سکتا ہے کہ رومانسی شاعری کی فنی اصطلاحوں کا اِس نقطۂ نظر سے دوبارہ مطالعہ کیا جا سکتا ہے - نوریل نے Galaubua عربی الاصل بتایا ہے - جلد سوم، ص ۳۲۶ - اور سنگر (Singer) نے Gaur dador (Senhal) اور Midons (رقیب عربی) کا حوالہ دیا ہے - ہیاسلک (F. W. Hasluc) نے اِس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ stanza کا خیال بیت (گھر) سے ہوا - عربی میں یہ لفظ دو مصرعوں کے لیے استعمال ہوتا ہے - Tensio نام اور کام دونوں اعتبار سے عربی لفظ تنازع کے مشابہ ہے - رابیرا نے (مقالات وغیرہ جلد دوم صفحات ۱۳۳ تا ۱۴۹) متعدد الفاظ کے عربی فارسی ماخذ دریافت کیے ہیں : جن میں Trobar بھی شامل ہے - اِس کو طرب بمعنی راگ و نغمہ سے ماخوذ بتاتا ہے - لیکن اگر Trobar کا تعلق Trouver سے ہونا بھی مان لیا جائے تو یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ عربی لفظ وجد کے معنی پانے کے علاوہ، محبت یا غم کی تکلیف محسوس کرنے کے بھی ہیں -

Mackail—2

(حاشیہ صفحۂ ہذا)

1—"شاعری پر خطبات" Lectures on Poetry سنہ ۱۹۱۱م، ص ۹۷ - مزید ملاحظہ ہو ص ۱۲۵ کی یہ عبارت : " ہم بڑے بڑے یا کم سے کم خاص قوی محرکات کے لیے عرب سریانی سطح مرتفع (کیونکہ اِس بے میل نسل اور علاقے کے لحاظ سے فلسطین بھی اِس کا ایک حصہ ہے) کے ہم جنس ذخیروں کے مرہون منت ہیں جنھوں نے قرون وسطیٰ کو روحانی اور دماغی اعتبار سے اُس دنیا سے مختلف بنا دیا تھا جس پر روما کا سکہ رواں تھا " -

سکتے ھیں کہ جس طرح قشتالیہ کے شاہ الفانسو الملقب بہ حکیم کے دربار میں ھوا ' صقلیہ کے دبستان کی ابتدا بھی فریڈرک کے دربار اور اُسی کی سرپرستی میں ھوئی؛ اور گو عربی کتابوں کے تراجم کے متعلق بہت کچھ سننے میں آتا ھے اور اسلامی فلسفے کا ذکر بھی کچھ کم نہیں ھوتا ؛ نیز پراونسی اور دیسی طروبوں کے متعلق بھی بہت کچھ کہا جاتا ھے ؛ لیکن باایں‌ھمہ عربی شعرا یا عربی شاعری کا کوئی قطعی و یقینی تذکرہ نہیں ملتا - لیکن فریڈرک دوم کے خدم و حشم میں مشرقی رقاصہ و مغنیہ کا وجود قطعی طور پر ملتا ھے - عہد وسطیٰ کے صقلیہ کا محتاط مورخ یہ تسلیم کرتے ھوئے کہ اگر عام پسند صقربی [1] شاعری کے متعلق ھماری معلومات زیادہ ھوتیں تو ممکن تھا کہ ھم اِس شاعری اور صقلیہ کی ابتدائی اطالوی شاعری کے زیادہ قریبی تعلقات کو منکشف کر سکتے؛ اِس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں کرنا چاھیے‌کہ سوقی زبان کی شاعری کا ارتقا ' عربی زبان کے شاعروں کی تقلید اور اُن کے اسلامی حکمرانوں کی سرپرستی سے بہرور ھونے کی وجہ سے ھوا [2] - تاھم یہ ایک نمایاں حقیقت ھے کہ اطالوی زبان کی ابتدائی عام پسند شاعری کا عروض ––– جس کا نمونہ طادی [3] کی مختصر مناجاتوں اور جشنوں کے موقع پر گائے جانے والی نظموں میں ملتا ھے' لیکن اُس کی تفصیلی مثال نچ گانوں میں ملتی ھے ––– بالکل وھی ھے جو اندلس کی عام شاعری میں استعمال ھوتا تھا [4] - حتیٰ کہ عربوں کے

1—Sicilian-Arabic

2—ام اماری - تاریخ مسلمانان صقلیہ' سنہ ۸۶۸ام سے ۱۰۷۲ام تک' ج ۳ ص ۷۳۸ و ۸۸۹ - نیز دیکھیے جی سسرو (G. Cesareo) کی کتاب · Le, Origine, della Poesia lirica e la Poesia Siciliana sotto gle, Suevi. سنہ ۱۹۲۴ام صفحات ۱۰۱ تا ۱۰۷۔

3—Jacopone di Todi

4—ملاحظہ ھو جی - ایم - پلاس کی کتاب اسپینی عربی عوام کی شاعری کا اثر (ملاحظہ ھو صفحہ ۲۰۲)

خلاف پیٹرارک [1] کے شدید قومی ھیجانات سے بھی، کم سے کم صرف یہ ثابت ھوتا ھے کہ اطالیہ میں اُس کے زمانے تک بھی، عربی شاعری کی زیادہ مقبول عام صنفیں، مروج و معروف تھیں -

رومانسی اقوام کی شاعرانہ قابلیت کو اُبھارنے میں، عربی شاعری نے جو حصہ لیا ھے، اُس کو خواہ کوئی درجہ دیا جائے؛ لیکن اِس میں تو مشکل ھی سے شبہہ کیا جا سکتا ھے کہ قرون وسطیٰ کا یورپ ' عربی کے نثر ادب کا خوشہ چین رھا ھے - گو اِس موضوع پر ابھی تفصیلی تحقیقات کرنا باقی ھے - عربی میں لکھی ھوئی فلسفیانہ و حکیمانہ تصنیفوں کا رواج ھوا ' تو اُسی کے ساتھ عربی ادب کے دوسرے گوشوں اور زیادہ خصوصی طور پر چھوٹی عام پسند منظوم کہانیوں ' حکایتوں اور مثالوں میں بھی دلچسپی لی جانے لگی؛ کہ خالص عربی ادب کا بڑا حصہ اِن ھی پر مشتمل تھا - بہرطور اِس سے بہت پہلے، سینہ بہ سینہ روایتوں کی وجہ سے عربی ادب کے عناصر اور دوسرے مشرقی قصے، شائع و ذائع ھوچکے تھے- حال حال تک اُن بہت سارے قصوں کا ماخذ ' مشرق ھی سمجھا اور تسلیم کیا جاتا تھا ؛ جو حکایتوں، نقلوں اور تمثیلوں وغیرہ کی صورت میں تیرھویں صدی میں تمام یورپ میں پڑھے اور سنے جاتے تھے - بلا شبہہ اُن میں اور مشرقی و ھندی قصوں میں مشابہت و مماثلت بھی موجود ھے - گو علامہ بادیر [2] کی تفصیلی تحقیقات نے، اِس نظریے کی حمایت میں جو

اطالوی شاعری پر - J. M. Millas, influencia de la Poesia Popular Hispano-musulmana en la poesia italiana, Revista de Archivos &c., سنہ ۱۹۲۰ م تا سنہ ۱۹۲۱ م - یہ بات بھی قابل غور ھے کہ صقلوی رچرڈ سان جرمانوی کی کتابوں سے عربی تاریخی تالیفوں کی ایک نمایاں خصوصیت کا اظہار ھوتا ھے یعنی وہ اپنی تاریخ میں نظاموں کے اشعار اور مصرعے نقل کرتا ھے -

Bedier—2 Petrarch—1

دلیلیں پیش کی جاتی ہیں اُن کو بڑی حد تک کمزور کر دیا ہے [1] ؛ تاہم اب بھی عام ادب میں ایسے بڑے بڑے حصے موجود ہیں، جن کے کم سے کم ذیلی قصے، مشرقی کہانیوں ہی سے ماخوذ ہیں - بلانچمین [2] کی داستان جرمنی رزمیہ " رولان کا گیت [3] " اور شمالی یورپ کے دوسرے فسانوں اور عربی قصوں میں قریبی مشابہتوں کو نشان‌زد کیا گیا ہے - بلکہ داستان Grail-Saga کے ایک قصہ نویس نے تو اپنے ماخذوں میں ایک عربی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے - عربی محرکات کا جو مظاہرہ ، قدیم فرانسیسی داستان Tloireet Blanchef bear میں ہوا ہے ؛ وہ Ahcossin at Nicollate کے دلکش قصے سے تعلق رکھنے کی وجہ سے زیادہ قابل توجہ ہے - کیونکہ خود اِس میں اندلسی اصل کی بے خطا شہادتیں (جیسے قصے کے ہیرو کا عربی — القاسم — نام) اور نظم و ترتیب کی متعدد تفصیلیں موجود ہیں [4]- اگر یہ کہا جائے کہ فرانسیسی ادب کے عدیم‌النظیر گیت ' کہانی' رائج‌الوقت عربی رومانسی کی ایک مقبول عام صورت ہے ؛ تو اِس سے فرانسیسی جہاں‌گرد شاعر کے شرف و مزیّت کو کسی طرح کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ، جس نے حسن و نزاکت کا ایسا شاہ‌کار پیدا کیا ہے -

---

1—چےبادیر - " چھوٹی عام پسند منظوم کہانی " سنہ ۱۹۲۵ م -

2—Iaol de Blnchemain

3—Roland slied

4—اِس کے لیے عام طور پر سنگر کا مضمون " قرون متوسطہ میں عربی و یورپی شاعری " ملاحظہ ہو جو پروشیا کی مجلس علوم کی روئدادوں میں شامل ہے - "Arbiche and eiropaische Poesie in Mitelater" in Abh. Preuss. Akad. Wissenschaften. سنہ ۱۹۱۸ م؛ اور رسالہ برائے جرمن علم‌اللغۃ - سنہ ۱۹۲۷ م Z. Fur deut. Philologie صفحات ۷۷ تا ۹۲ - اور Aucassin کے لیے بورڈیلان کا نسخہ (F. W. Bourdillon) مینچسٹر، سنہ ۱۹۱۹ م، صفحات ۱۴ و ۱۵ -

جیساکہ قوی توقع تھی، عربی زبان کے رحلی ادب اور فن جہاں‌نگاری نے بھی مغربی ادب پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں- کیونکہ اہل یورپ کے نزدیک سفر کرنے کے خاص معنے، بغرض زیارت ارض مقدس جانے ہی کے تھے - یہ بہت بڑی حد تک ناگزیر تھا کہ محض سینہ بہ سینہ روایتوں کے ذریعے، تمام فسانہ‌زا و حیرت‌خیز عناصر، مغرب کے کونے کونے تک پہنچ جائیں - اِس طرح کے قصے کہانیوں نے، بہت سے دوسرے مصنفین و مولفین کے علاوہ مارکوپولو اور سر جان میان ڈیول [1] کے لیے بھی تخیل آرائی کا سامان فراہم کیا - لیکن اِن واقعات سے یہ سمجھنا چاہیے کہ اِن کی وسعت، مغرب کے صرف لاتینی ممالک تک ہی محدود رہی - غالباً بحیرۂ خزر و بحیرۂ بالٹک کے تجارتی راستے سے ایسے قصص و حکایات، آئرستان و اسکنڈی‌نیویا تک پہنچ گئے تھے اور "مقدس برن ڈام کا فسانہ" جیسی کہانیوں میں وہ دوبارہ نمودار ہوئے - اِس قسم کے فسانے، سوداگر اور بھاٹ، شام کی صلیبی مملکتوں اور بحیرۂ متوسط کی مشرقی بندرگاہوں سے اپنے ساتھ یورپ لایا کرتے تھے - یہ بالکل اغلب ہے کہ اِن زبانی ذریعوں ہی سے بوکیاکشو [2] نے مشرقی افسانے جمع کر کے اپنی کتاب Decamerone میں شامل کر دیے ہوں - چاسر کی "زمینداری کی کہانی [3]" "الف لیلہ" ہی کا ایک قصہ ہے، جس کو اطالوی تاجر، غالباً بحیرۂ اسود سے یورپ لائے؛ کیونکہ اِس قصے کا محل وقوع، جھیل والگا کے کنارے منگول خاں کے دربار میں بتایا گیا ہے -

---

Sir, John man Deville—1

Boccaccio—2

Chaucer's Squieres Tale—3

یورپی ادب پر اسلامی ادب کا اثر

[از ایچ - اے - آر - گب ، استاد علوم مشرقیۂ جامعۂ آکسفورڈ
مترجمۂ جناب ابونصر محمد خالدی - حیدرآباد ، دکن]

چودھویں صدی عیسوی میں، عربی کہانیوں کی زبانی نشر و اشاعت کے ساتھ ساتھ ، عربی میں لکھے ہوئے فسانوں کے مجموعوں کے مختلف ترجمے بھی شائع ہوئے ؛ جو جدید خواندہ طبقوں کی تفریح کے لیے تیار کیے گئے تھے - اِن مشرقی قصوں کو ، عہد وسطیٰ کے متداول قصوں پر صرف اِن کے تنوع اور شستہ ادبی طرز ادا ھی کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاتی تھی ، بلکہ سب سے زیادہ یہ بات تھی کہ شاندار تخیل کی نمائش کے علاوہ اُن سے اخلاقی استفادہ بھی مقصود ہوتا تھا - ادبی مذاق و ادبی طرزبیان، دونوں اعتبار سے، قرون وسطیٰ کے مسلمانوں اور نصرانیوں کے اتصال کا نقطہ، اِسی مقام پر تھا - عوام، قصے کہانیاں اِس لیے سنا کرتے تھے کہ وہ اُن کو پسند کرتے تھے؛ اور عام طور پر اِن کہانیوں سے کوئی اخلاقی نتیجہ نکالنے کا کام بھی نہیں لیا جاتا تھا - لیکن بہ حیثیت فن ادب ، قصہ کہانی یا افسانے کی جگہ کسی اخلاقی چاردیواری ھی میں ہوتی ھے- کسی محرر کا عام مقصد فن، حکومت کی تعریف کرنا یا اچھی طرح زندگی گزارنے کے فرائض بتانا یا اخلاقی خوبیوں کا بیان کرنا ہوتا ھے - اِس قسم کی کتابوں کی عربی میں بڑی کثرت تھی ؛ جن میں سے کچھ تو قدیم ہندوستانی حکایتوں سے لی گئی تھیں، اور کچھ دوسرے مشرقی

ادبی خزانوں سے ماخوذ تھیں (بلاشبہہ اُن میں بہت کچھ یونانی الاصل بھی تھا)، اور کچھ حصہ مشرقی تاریخ کے افسانوی معترضہ قصوں اور تاریخی واقعات سے منتخب کیا گیا تھا - اُس زمانے میں ادبی ملکیت کا یقیناً کوئی تصور موجود نہیں تھا - عالم اسلام و دنیاے نصرانیت دونوں جگہ، مصنف یا قاری، جدت مضمون کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ؛ اور نہ نفسیاتی اختراع کی صلاحیت زیادہ وزن رکھتی ہے - اگر فی‌الوقت طرز ادا و اسلوب نگارش کے سوال کو علحدہ رکھیں، تو کہہ سکتے ہیں کہ معلوم و مانوس مواد کو، جدید صورت میں پیش کرتے ہوئے، ایک اخلاقی موضوع پر لکھنے والے کا کمال، اُس کی قوت اِنتخاب و ترتیب میں مضمر ہوتا ہے - عربی حکایتیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتی رہیں ؛ اور فسانہ نگاری کی محرک ہوتے ہوئے اپنے زمانے کی بہت سی آزاد تصنیفوں میں بھی جگہ پاتی رہیں - اِس طرح حکایتوں نے قرون وسطیٰ اور مابعد کے یورپی ادب کی تشکیل میں بڑا حصہ لیا -

اِس قسم کی بہت سی کتابوں میں سے، جن کا عربی سے، خاص کر یہودیوں نے ترجمہ کیا تھا، بطور نمونہ تین منتخب کی جاسکتی ہیں- عربی زبان میں ایک کتاب "سندباد" (جہازی نہیں) ہے جو اصلاً سنسکرت سے ماخوذ ہے ؛ اور اب اپنے اصلی ماخذ ہی کی طرح ناپید ہوگئی ہے - قرون وسطیٰ کے بہت سے فسانوں کا ماخذ یہی کتاب ہے، جن میں سیندبان سریانی میں لکھی گئی تھی - قرون وسطیٰ کا یونانی قصہ، اِسی سریانی نسخے سے ماخوذ ہے - اِسی قسم کا ایک اور عبرانی افسانہ موجود ہے - (سیندباد) یہی فسانہ، کئی مرتبہ فارسی میں لکھا گیا ؛ جن میں سے بعض، عربی و ترکی میں دوبارہ

منتقل کیے گئے - اِن سب قصوں میں سے بہتوں کی قسمت میں' اتھارھویں صدی میں' یورپ پہنچنا لکھا تھا - عبرانی زبان کا سندبار ایک طرف تو غالباً تیرھویں صدی کے ایک اسپینی فسانے " پہلیوں کی کتاب[1] " کا ماخذ ھے ' اور دوسری طرف چودھویں صدی کے لاتینی " سات عقل‌مندوں کی کہانی[2] " کا بھی - اور یہی لاتینی قصہ ایسے متعدد قصوں کا ماخذ ھے' جو نظم میں لکھے گئے' جن میں سے ایک " روما کے سات عقلمند[3] " انگریزی میں لکھا گیا -

دوسری کتاب' قدیم فلسفیوں کے اقوال کا ایک مجموعہ ھے' جس کو گیارھویں صدی میں' کسی مبشر بن فاتک نامی نے' مصر میں تالیف کیا تھا - اِس مجموعے کا ترجمہ' اسپینی زبان میں " سونے کے ڈلے[4] " کے نام سے ھوا - لیکن مغربی زبانوں کے تمام نسخے' اِس کے ایک لاتینی ترجمے " کتاب فلاسفۂ اخلاق[5] " پر مبنی تھے' جن سے تگ نو وائل[6] نے " فلسفیوں کے اخلاقی مقولے[7] " کے نام سے اپنی کتاب تیار کی - اِس نسخے کو ارل ریورس[8] نے " حکیموں کے اصول و اقوال[9] " کے نام سے انگریزی زبان میں منتقل کیا ؛ جس کا ذکر گزر چکا ھے کہ یہی وہ پہلی انگریزی کتاب ھے جو کیاکسٹن[10] نے طبع کی تھی -

اِن فسانوں اور اِسی قسم کے عربی ادب‌کاروں کا اثر ' اسپینی ادب میں بالکل ظاھر ھے ؛ خصوصاً ابتدائی اسپینی ادب میں - مثلاً ڈان جان میانویل کو جو خود بھی عربی سے واقف تھا ' اپنی کتاب

1- Libro de los Enganos
2- Historia Septem Sapientium
3- Saven sages of Rome
4- Bocados de Oro
5- Liber Philiosophorum Moralium
6- de Tignonville
7- les ditz moraux des Philosophese
8- Earl Rivers
9- The Dicts and Sayings of the Philosophers
10- Caxton

تصنیف کرنے کا خیال اِن ھی سے پیدا ھوا؛ جس کا ابتدائی حصہ بھی اُن مقدموں ھی کے نمونے پر لکھا گیا ھے ' جن سے تمام عربی کتابیں مزین ھوتی ھیں [1] - اِس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اسپینی زبان کے ابتدائی منثور ادب میں' مشکل ھی سے کوئی ایسی کتاب ملے گی' جس میں عربی سے ترجمہ شدہ مواد سے' استفادہ نہ کیا گیا ھو - لیکن اکثر یہ بات بیان کی جاتی ھے کہ یورپ میں مسلمانوں کی ادبی روایات ' راست ' اسپین سے نہیں پھیلیں - دوسرے بہت سے امور کی طرح اِس باب میں بھی' قرون وسطیٰ کا یورپ ' اطالیہ اور جنوبی فرانس کا زیربار منت رھا ھے - جو اسلامی اثرات ' اسپینی ادب پر پڑے تھے؛ اُن کا دائرہ' انگلستان و فرانس تک' ایک مدت دراز کے بعد جاکر وسیع ھوا -

تیسری مثال میں بھی' اسپین کی' نسبتاً اِسی طرح کی علحدگی' نظر آتی ھے- یہ مجموعہ زیادہ مشہور بھی ھے- اِس سے ھماری مراد جانوروں کی وہ حکایتیں ھیں' جو ابتداءً سنسکرت میں لکھی گئی تھیں - کلیلہ دمنہ کے نام سے' اُن کا ترجمہ' عربی زبان میں' آٹھویں صدی عیسوی میں کیا گیا - شاہ الفانسو الملقب بہ حکیم (۱۲۵۲ع تا ۱۲۸۴) کے لیے اِس کتاب کا اسپینی زبان میں' دوبارہ ترجمہ کیا گیا - لیکن بقیہ یورپ کو اِس کا علم' صرف لاتینی ترجمے کے ذریعے ھوا؛ جس کا نام " راہ نماے حیات انسانی [2] " تھا - یہ ترجمہ جان فالبروی [3] ایک نو یہودی نے اِسی صدی میں انجام دیا تھا - لاتینی کی اِسی

1—یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ ڈان جان نے راست عربی ماخذوں سے استفادہ کیا ھو - ملاحظہ ھو برلام و یوزافت کی کہانی - G. Moldenhauer, Die ۱۹۲۷م - صفحات Iegende li on Barlaum and Pasaphate - ۹۴ تا ۹۰

2—Directorium humanæ Vitae

3—John of Capua

قسم کی بہت سی کتابوں جیسے ''رومیوں کی رزمیہ نظم[1] '' کا ماخذ بھی لاتینی ترجمہ تھا ؛ اور ۱۵۵۲ء میں جاکر' کہیں پہلی مرتبہ' ڈونی[2] نے اِس کو مقامی زبان میں منتقل کیا - اِس مشرقی قصے کو بعد کے زمانے میں جو مقبولیت حاصل رہی' اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلاسکی احیا کے عین زمانۂ عروج میں بھی' مشرقی ادب میں جاذبیت و دل‌کشی کی صلاحیت موجود تھی - کلیلہ دمنہ کی بنیاد پر' جو بہت سی کتابیں لکھی گئیں' اُن میں تھامس نارتھ کی کتاب '' ڈونی کا فلسفۂ اخلاقی[3] '' تو اِس سلسلے کی صرف پہلی کڑی تھی - (۱۵۷۰ء) - فسانہ نگاروں بلکہ ڈرامہ نویسوں نے بھی (مثلاً میاسنجر کے ڈرامے ''محافظ'' کا تیسرا ایکٹ[4]) ' لاتینی اور مقامی زبانوں میں اِس کتاب کے مضامین اخذ کرکے جو قصے تحریر کیے تھے' وہ مدت دراز تک متداول رہے - اِس کتاب کا فرانسیسی میں '' پلپے کی حکایتیں[5] '' کے نام سے' بعد کے زمانے کی ایک فارسی کتاب انوار سہیلی سے (۱۶۴۴ء) جو ترجمہ کیا گیا ' وہ ہمارے لیے اِس حیثیت سے خاص دل‌چسپی رکھتا ہے - کیوں‌کہ مغربی یورپ سے' فارسی ادب کے' راست تعلقات کی' یہ پہلی مثال اور لافانتین[6] کی تحریروں کا ایک ماخذ ہے -

خالص عربی ادب کی ایک دوسری شاخ کا بھی' قرون وسطیٰ کے ادب میں حصہ لینا ممکن ہے - یہ ''مقامات'' تھے ؛ جو فنّی اعتبار سے تمام عربی ادب میں' سب سے زیادہ مکمل چیز ہوتی ہے - گو ادبی

1—Gesta Romanorum　　2—Doni

3—Thomas North's Moral Philosphy of Doni

4—Massinger's the Guardian　　5—Tales of Pilpay

6—La Fontaine

قواعد و ضوابط کے اعتبار سے ''مقامات'' کا مقفیٰ و مسجع عبارت میں لکھا جانا ' اور اُن کی تزیین و آرائش میں ہر قسم کے لسانیاتی عجائب و غرائب سے کام لیا جانا ' ضروری تھا ؛ لیکن نظم و ترتیب کے اعتبار سے یہ انتہائی سیدھے سادے ہوتے تھے - ''مقامات'' متعدد غیر مربوط ضمنی قصوں پر مشتمل ہوتے ہیں؛ جن کا ہیرو ہمیشہ کوئی قسمت آزما شہ‌سوار ہوا کرتا ہے - اُس جہاں‌گرد کے دماغ میں' حصول معاش کے لیے' ہر قسم کی بُری بھلی عیاریوں کا ایک وسیع ذخیرہ محفوظ رہتا ہے - لیکن ساتھ ہی وہ اچھی ادبی سوجھ بوجھ کا بھی مالک ہوتا ہے ؛ جس سے کام لے کر وہ اکثر نہائت اعلیٰ و ارفع اخلاقی احساسات کا اظہار کرتا ہے - اسپینی زبان کے اوباش ناول اور اِس ترتیب میں بعض مشابہتیں پائی جاتی ہیں - اِس کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسپینی یہودیوں نے ''مقامات'' کی تقلید شروع کردی تھی ؛ اور یہ کہ خدائی فوجدار صفر سے دیگر مشرقی مماثلتوں کے ظاہر ہونے کے علاوہ ' اُس میں کم سے کم ری‌بالڈو[1] کی ایک مہم (پہلا اسپینی ''بدمعاش'') تو خالص مشرقی مجموعے کا ایک ضمنی قصہ ہے ' جو عربی نسخے میں یوحا (یحییٰ) کے کردار سے متعلق ہے[2] - یہ بھی ممکن ہے کہ مقامات کے قصوں اور اوباشی یا حقیقت پسندانہ قسم کے ابتدائی اطالوی فسانوں میں مشابہتیں پائی جائیں' لیکن یہ پورا موضوع ہنوز تشنۂ تحقیق ہے -

عہد وسطیٰ کے یورپ میں' عربی زبان کے ایسے صاف و شستہ موضوعوں کا داخلہ ' درحقیقت عام علمی تحریک کا ایک رخ ہے -

---

1- Ribaldo

2- Revue hispanique اسپینی رسالہ نمبر ۱۰ سنہ ۱۹۰۳ م ص ۹۱ -

لاتینی تمدن کا سیلاب' قرون مظلمہ کے مذہبی دائرے کے تنگ کناروں کو توڑتا جا رہا تھا - اور عوام' ایسے معاملات کے متعلق' بہت متجسس تھے ؛ جن کو وہ اب تک صرف تقلیداً تسلیم کرتے آئے تھے - جیسا کچھ بھی لاتینی ادب اُن کے یہاں موجود تھا ' وہ اپنی تنگ دامانی' افلاس ذہنی اور فقدان جدت کی وجہ سے اُن کی تشفی کرنے کے قابل نہیں تھا ؛ اِس لیے اہل یورپ کو چار و ناچار' حسب خواہش اپنی ذہنی پیاس بجھانے کے لیے کسی دوسرے چشمے کی طرف نظر اُٹھانی پڑی - اب تک تو وہ اسلامی دنیا کی صرف فوجی و حربی برتری کو تسلیم کرتے آئے تھے اور وہ بھی طوعاً نہیں بلکہ کرہاً ؛ لیکن ندامت کے ساتھ اُن کو یہ بھی معلوم ہوا کہ علمی دنیا میں بھی وہ اُن پر فضیلت رکھتے ہیں - اِس علم و یقین کے بعد' عربی علوم کے سیلاب کے ساتھ' اسلامی منشور ادب کی' یورپ میں بڑی کثرت ہوئی ؛ جس کی جڑیں کم و بیش یورپ کے تمام جدید ادبیات کی تہ تک پہنچی ہوئی ہیں - نشأۃ ثانیہ کے علمی ہیجان کا راستا اُس نے صاف کیا - خواہ اسلامی سرچشموں سے مادی طور پر' کوئی استفادہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو ' قرون وسطی کے یورپی ادب' پر اسلام کا غالباً سب سے زیادہ اہم احسان' نظم و نثر دونوں پر' اُس کی تہذیب و تصورات کے اثرات ہیں- خواہ اِس کے ساتھ اسلامی سرچشموں سے مادی طور پر کوئی استفادہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو - گو یہ موضوع پیش نظر مقالے کے حدود سے باہر ہے ' تاہم حالیہ علما کی طرف سے بار بار پیش ہونے والے اِس خیال کا ذکر ناگزیر ہے کہ تخلیق عالم کے اسلامی تصورات اور معراج محمدی علیہ التحیۃ والسلام کے متعلق جو قصص و حکایات (جن میں سے بعض کا تعلق قدیم ایرانی فسانوں سے ہے) متد اول تھے ؛ اُن کے بعض

اجزا' ڈوائن کامیڈی میں بھی داخل ہوچکے ہیں - یہ اجزا' راست' داخل ہوئے ہیں یا ابتدائی مغربی افسانوں جیسے "ٹنڈل کا فسانہ[1] " اور سینٹ پیاٹرک کے "جہنم[2]" کے ذریعے سے ؟ کیوں‌کہ مسلمانوں کی فلسفیانہ بلند پروازیوں اور مسلمان صوفیوں کے عشق و محبت کے نقوش ' اِس میں شک نہیں کہ' نہ صرف دانتے ھی کی کتابوں میں نظر آتے ہیں؛ بلکہ نئے میٹھے[3] اسلوب کی اِتباع کرنے والے دوسرے شعرا کے اھم تخیلات میں بھی یہی رنگ نمایاں ھے - دانتے کے زمانے میں اطالیہ میں عربی ادب کا جس دلچسپی سے مطالعہ کیا جاتا تھا اُس کا لحاظ کرتے' جزوی تفصیلات سے قطع نظر' یقیناً یہ نظریہ کسی طرح بعید از قیاس نہیں رھتا ؛ گو فی‌الحال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسئلہ اچھی طرح ثابت ھوچکا ھے - لیکن یہ خیال بڑا دلچسپ ھے' اور اگر یہ دکھایا جا سکے کہ دانتے نے ایک عظیم‌الشان مرکب تیار کیا ھے' جس میں نصرانی و کلاسکی تصوف کی میراث کو جمع کر دیا گیا ھے ' بلکہ اسلام کے مذھبی تجربات کی اِنتہائی شان‌دار اور سب سے زیادہ روحانی خصوصیات کو بھی سمو دیا ھے ' تو اِس سے وہ اور زیادہ عظیم المرتبت معلوم ھوگا -

عہد وسطیٰ سے رخصت ہونے سے پہلے ' تھوڑی دیر کے لیے ھم کو اسپین کی طرف پلٹ کر' اُس مسئلے پر دوبارہ غور کرنا چاھیے جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ھے - یعنی اندلیسیہ کے بڑے حصے پر' نصرانیوں کے دوبارہ قبضے کے بعد' اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کی سینہ بہ سینہ نشر و اشاعت کے مسلسل اثرات - اِن اثرات سے بہ مشکل کوئی آخری فیصلے ھو سکتے ھیں - لیکن کم سے کم اسپینی اور اسپین کے ذریعے سے

Legend of Tundal—1　　St. Patrick's Purgatory—2

dolcestilnuovo—3 - اِس مبحث کے لیے ملاحظہ ھو کیٹر کی کتاب طروب
H. J. Chaytor's the Troubadours - سنہ ۱۹۱۲ع ' ص۱۰۶

یورپی ادب سے اُن کا تعلق واضح ہے - جنوبی ادب کی خصوصیتوں میں حرارت اور وسیع تر و لطیف تر تخیل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں؛ اور اِس سے کسی کو انکار نہ ہوگا کہ کسی نہ کسی حد تک یہ خصوصیتیں' ابتدائی صدیوں میں' اندلس کی اسلامی تہذیب کے ماحول اور اُن نقوش کی شرمندۂ احسان ہیں' جو اِس تہذیب نے اہل اندلس پر ثبت کیے تھے - یقیناً یہ بات صحیح ہے کہ اشبیلیہ کی فتح اور سقوط غرناطہ کی درمیانی مدت میں' اہل اندلس اور اُن کے ہم‌مذہب قشتالویوں میں زبان' روایات اور ادبی اسلوب کا اعتبار کرتے' کوئی فرق نہیں تھا - لیکن جب اسلامی قوت کے انحطاط و زوال کے ساتھ' مخالفت کی اصلی وجہ باقی نہیں رہی' اور نصرانیوں اور مسلمانوں میں دوستانہ تعلقات دوبارہ قائم ہوئے؛ تو پھر ایک نمایاں ادبی ہیجان پیدا ہوا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اہل اندلس' سرد اور زیادہ بےلوچ قشتالوی زبان میں' کسی چیز کی انتہائی کمی محسوس کر رہے تھے؛ جو اب تک اُن کے دردآشنا تار حیات کو چھیڑ رہی تھی - اس لیے اِس چیز کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے وہ اسلامی ماضی کی طرف پلٹے - اندلسی روح کا اثر' غالباً ''عاشقان خولہ''[1] میں دیکھا جا سکتا ہے' جو زبان و بیان کی صفائی و شستگی کا اعتبار کرتے' دوسرے رومانسیوں سے ممتاز ہے - اِس کا مکمل مظاہرہ' مورسکو یعنی مولدین سے متعلق داستانوں میں ہوتا ہے - چنانچہ ''حکایت ابن سراج''[2] میں تو یہ اپنے انتہائی نقطۂ عروج تک پہنچ گیا (سنہ ۱۵۵۰ع سے پہلے) - اور ڈی ہتا کی کتاب ''خانہ جنگیاں''[3] میں بھی یہی سلسلہ چلتا ہے - آیا اِن داستانوں کا کچھ حصہ' عربی مصادر پر مبنی تھا یا نہیں؟ سو یہ سوال

1—Amadis de Gaula
2—Historia del Abencerrage
3—Gines Perez de Hita's Guerras civiles

کوئی اهمیت نهیں رکھتا - اهم چیز تو یه هے که اِن میں اسلامی و اسپینی تہذیب کا ایسا امتزاج پیدا کیا گیا هے' جو موجودہ یورپی ادب کی تاریخ میں نقطۂ انقلاب کا حکم رکھتا هے - یه موجودہ ناول کا یوم پیدائش تھا - اِس حد تک تو سروانٹس بھی اندلسی تہذیب کا زیربار منت هے ؛ جس کی داستان ''خدائی فوجدار'' [1] کی ظرافت' پرسکاٹ [2] کے الفاظ میں خالص اندلسی هے (لیکن اِس کی یه منت کشی' عرب وقائع نگار' سید حمید بن عالی کے توسط سے یقیناً نهیں هوئی) ؛ اور یهی بات بهت سے دوسرے ایسے مصنفین پر بھی صادق آتی هے' جن کا مرتبه' اسپینی ادب میں' سروانٹس سے کسی طرح کم نهیں هے -

نشأۃ ثانیه نے' مشرق کو عقبی زمین پر ڈال کر' قید و بند کی دیوار کھڑی کردی اور مشرقی اثر کے سیلاب کو روک دیا - لیکن کلاسکیت کی فرماں‌برداری همیشه قائم رهنے والی چیز نهیں تھی - یورپ کی رومانی روح میری‌تن کی داستانوں ' ٹیوٹانی گیتوں اور انگریزی ڈراموں میں اپنا جلوہ دکھا چکی تھی اور اب جکڑبندیوں سے تنگ آکر اُس نے اپنے لیے راہ پیدا کرلی - نشأۃ ثانیه کی پوری پیداوار' خواہ دیہاتی زندگی کے فسانے هوں یا رزمیه داستانیں یا اوباشی ناول' غرض اِن سب کو یکے بعد دیگرے ناکامی سے دوچار هونا پڑا - پیرالت[3] نے ایک عظیم الشان قصه چھیڑا تھا ' لیکن ابھی تک دیہاتی کہانیاں اِتنی کم زور نهیں تھیں که اِس حملے کے بوجھ کو نه برداشت کر سکتیں - پھر سنه ۱۷۰۴ عیسوی میں گیلاند[4] کا کیا هوا ' الف لیله کا ترجمه نمودار هوا - حالیه تحقیقات نے ظاهر کردیا هے که یه ترجمه کوئی مستقل بالذات واقعه نهیں تھا ' بلکه یه چیز فنی کمال بینی کے ایک طویل عمل کا

Galland—4 Perrault—3 Prescott—2 Cervantes: Don Quixote—1

آخری نقطہ تھی - اِس کی پرورش میں حصہ لیا تھا مولدین کی داستانوں نے، مشرق کے سفر اور آبادکاری کے آغاز نے، تیورنر[1]، کارتن[2] اور برنیر[3] وغیرہم کے ہندوستانی اور ایرانی زندگی کے بیانوں اور مقامی رنگ کی دلفریبیوں نے - یہ دلفریبیاں، مختلف مشرقی سفارتوں کی پیدا کی ہوئی تھیں، جنھوں نے وقتاً بعد وقتٍ اپنی شان و شوکت سے پیرس کو خیرہ کر دیا تھا[4] - اِس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں سطحی تھیں، لیکن اُس زمانے میں مشرق کا ایک ''رومانی'' تصور قائم کیا گیا—شوخ رنگ عجیب و غریب اور پر اسرار—اِس عجیب الخلقت مشرق سے، خود ہمارے زمانے میں بھی، خاص اغراض کے لیے کام لیا جاتا ہے - لیکن حقیقی مشرقی الف لیلہ کی کامیابی، فوری اور مکمل طور پر ہوئی - خواندہ طبقے کے تخیل کو آگ دکھا دی گئی تھی - تکمیل رواج کا حق ادا کرنے کے لیے، ناشرین ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے - الف لیلہ کے بعد ہی، فارسی کی ''ہزار و یک قصہ'' شائع ہوئی اور قدیم ''کتاب سندباد'' میں ''ترکی قصوں'' کی حیثیت سے دو بارہ جان پڑی - جب اصلی مواد کی رسد ختم ہو گئی، تو پیشہ‌ور مصنفین و مؤلفین نے اِس کمی کو پورا کرنے کا کام شروع کر دیا - گولت[5] نے ایک پوری نسل کی زندگی کے خلا کو، جعلی ترجموں سے پر کر دیا اور مانتسکو[6] کی طباعی نے ''فارسی خطوط''[7] میں معاشری تنقید کی ایک نئی صورت پیدا کی -

---

Chardin Bernier—3 Chardin—2 Tavernier—1

4—''اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی میں مشرق کا ذکر فرانسیسی ادبیات میں'' از مارتینو Pierro Martino : L'Orient dans la litterature fram caisean XVII. et au XVIII. Siecle, سنہ ۱۹۰۶ م - اور کانٹ کی کتاب ''انگلستان میں مشرقی قصہ'' M. P. Conant : "the oriental tale in England" نیویارک سنہ ۱۹۰۸ م اور مورسکی قصوں کے لیے چاپلن کی کتاب ''عربی کہانی فرانس میں'' M. A. Chaplyn's Le Roman maureque en France سنہ ۱۹۲۸ م

Letters Persanes—7 Montesquieu—6 Geullette—5

انگلستان میں بھی الف لیلہ کا جنُون، کچھ کم نہ تھا - ''ھزار و یک'' اور ''ترکی قصوں'' کے نمودار ھوتے ھی، اُن کے ترجمے کر دیے گئے اور پھر اُن کے لگاتار نسخے شائع و ذائع ھونے لگے - گولت کی مثال سے اُس کے بہت سے متبعین نے ''فی نصف اشرفی ایک فارسی قصہ تصنیف کرنے کا'' فن بھی سیکھ لیا تھا - اتھارھویں صدی عیسوی کے ''مشرقی'' ادب میں جس مشرق کا اظہار ھوتا تھا، وہ ایک نہائت عجیب و غریب ملک تھا؛ جس کو دراصل رائج‌الوقت رومانی تخیل نے خود اپنے خیالات کے مطابق ایک نئی شکل دے دی تھی - اور اُس میں خیالی شکلوں کو خلیفہ، قاضی اور جنوں کا لباس پہنا کر، عجیب‌الخلقت ھستیوں سے آباد کیا گیا تھا - ایسی کُھلی بے راھہ روی کو، زیادہ مدت تک برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا - ھملٹن [1]، پوپ [2] اور گولڈ اسمتھ [3] کی تنقیدوں کے جملوں سے، جعلی داستانوں کا سلسلہ مسدود ھو گیا - لیکن مسدود ھونے سے پہلے وہ ادب پر اپنا نشان ثبت کرتا گیا - عہد نامۂ قدیم کے متجانس واقعات کے زیر اثر، انگلستان میں اُس نے ''مرزا کا خواب'' [4] اور ''حق جو'' [5] پیدا کیے- ''مرزا کا خواب'' تو وہ شمع تھی جس نے پہلے پہل رابرٹ برن [6] کے تخیل کو روشن کیا تھا - کچھ عجیب اتفاقات ھوئے کہ فرانس میں اِس تحریک نے خالص مشرقی حکایتوں کی اصلی صورت کی طرف پلٹ کر، والتیر [7] اور دوسرے مصلحین کی سیاسی و معاشرتی طنز نگاری میں نظم و ترتیب پیدا کی - فرانس اور انگلستان دونوں مقاموں میں، یہ ایک قابل لحاظ تصنیف——بیکفرڈ کی ''واثق'' [8] کے وجود میں لانے کا باعث ھوئی - اِس کتاب میں قوطی رومانس کے ساتھ مشرقی مضامین و

Hamilton—1 Pope—2 Gold Smith—3

The Vision of Mirza—4 Rasselas—5 Robert Burns—6

Valtaire—7 Backford's Wathek—8

مشرقی خیالات کو سمویا گیا ھے - اور اِسی وجہ سے وہ نہائت ممتاز ھونے کے علاوہ ' دوسری نصف صدی کی تخیلی پیداوار پر بڑی حد تک اثر انداز ھوئی ھے - لیکن اِس کا بالواسطہ اثر زیادہ اھم ھے اور وہ یہ کہ اُس نے عام مذاق کو قدیم ادبیات ترک کرنے اور عہد وسطیٰ کی طرف رجوع ھونے پر مائل کرنے میں حصہ لیا ھے ' جس کو رومانی تحریک سے موسوم کیا جاتا ھے -

لیکن الف لیلہ کی کامیابی کو واضح کرنے کے لیے کچھ اور بھی چاھیے - اُس کی کامیابی کا سبب ' غالباً اُس ''تہلکہ'' میں تلاش کرنا چاھیے' جس سے فرانسیسی اور انگریزی ادب گزر رھا تھا' اور جو نتیجہ تھا خواندہ طبقوں کی وسعت اور ایک زیادہ عام‌پسند قسم کی ادبی پیداوار کی مانگ کا - کم سے کم اِنگلستان میں تو کلاسکیت ' حقیقی طور پر عام پسند نہیں رھی اور سترھویں صدی کے ادق و سست رفتار ناول' عوام کے کام کے نہیں تھے- یہ زمانہ تجربات کا تھا' جب کہ ڈی‌فو[1]' اسٹیل[2] اور اڈیسن[3] جیسے مصنفین اپنے لیے ایک جدید اسلوب کی راہ محسوس کر رھے تھے - ممکن ھے کہ الف لیلہ' جو اصلاً عوام کی پیداوار ھے' ادبی فن کے تمام بہترین اجزا سے معرّا ھو؛ لیکن اُس میں ایک صفت — مہم پسندانہ روح بدرجۂ کمال موجود ھے؛ جس کو ارباب ادب اب تک نظر انداز کرتے چلے آرھے تھے - لیکن جس کا وجود ' عوام پسند ادب کے لیے ناگزیر ھے - یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ عام مصنفین' جس چیز کی تلاش میں سرگرداں تھے؛ اُس کا سراغ اُن کو اِسی سے لگا - اِس لیے اگر الف لیلہ موجود نہ ھوتی تو

Defoe—1

Steel—2

Addison—3

رابن سن کروسو[1] کا کوئی وجود ہوتا اور نہ شائد ''گلیور کے سفر''[2] کا -

اٹھارھویں صدی عیسوی میں' جس حد تک مشرقی قصوں کا رواج تھا ؛ اور اُنھوں نے یورپی ادب پر جو اثر ڈالا ؛ اُن پر ھمارے ادبی مورخ عام طور پر کوئی توجہ نہیں کرتے - اِس بےتوجہی کا سبب بلا شبہہ فرانس اور اِنگلستان دونوں جگہہ' اُس معمولی ادبی پیداوار میں تلاش کیا جا سکتا ھے' جو مشرقی ادبیات کی راست اتباع کا نتیجہ تھی - اِس واقعے کی بنا پر' برانتیر[3] کو تنقیداً کہنا پڑا کہ اسلامی مشرق کے تعلقات نے' ھمارے ادب کی صرف ایک شاخ کو مالا مال کیا ھے ؛ اور وہ ھماری قومی توھین و تحقیر کا باعث ھے - لیکن اِس صدی کے دماغوں پر مشرقی فسانے نے جو اثر ڈالا ھے' اُس کی گہرائی کی دوسری علامتیں بھی موجود ھیں - سترھویں صدی کے ساتویں دھے میں ''تاریخ نظم انگریزی'' لکھتے ھوئے وارٹن[4] کو تو یہ معلوم ھوتا تھا کہ یہ بات خود بخود عیاں ھے کہ قرون وسطی کی رومانی تحریک خالصتاً عربی پیداوار ھے - ھو سکتا ھے کہ وارٹن کا نظریہ' بالکل پر از مبالغہ ھو - لیکن خود اِس نظریے کا وجود اور اُس کو تسلیم کرنا' اُن خیالات پر کافی روشنی ڈالتا ھے جو اُس دور میں جاری و ساری تھے - سدی[5] نے اپنی بیانیہ نظموں کے لیے جو عنوان منتخب کیے ھیں' جیسے ''ثعالبہ'' اور

1—Robinson Crusoe رابن سن کروسو کے ماخذ کو بعض وقت ابن طفیل کے فلسفیانہ قصے میں تلاش کیا گیا ھے- اِس قصے کا نام حی بن یقظان ھے جس کو سنہ ۱۶۷۱م میں پوکاک (Pocock) نے لاتینی میں ''خود نصیحت لینے والے فلسفی'' کے نام سے منتقل کیا- اُس کا سنہ ۱۷۰۸م میں اوکلے ''Ockley'' نے انگریزی ترجمہ شایع کیا - اِس موضوع پر پوری طرح پاسٹر نے بحث کی ھے - ملاحظہ ھو اُس کی تالیف ''رابن سن کروسو کا خیال'' A. R. Paster : "the Idea of Robinson Crusoe" حصۂ اول سنہ ۱۷۳۰م -

2—Gulliver's travells

3—Brunetiere

4—Warton

5—Southey

''تھامہ کی تکفیر'' اُن سے بھی اِسی قسم کے حسن ظن کا پتا لگتا ھے - زمانۂ حال کے نقاد کو اِن عنوانوں کا انتخاب '' دور ازکار و غیر ھردل عزیز'' معلوم ھوگا لیکن ایک ایسی نسل کے لیے' جس کا دماغی نشو و نما ''مغربی الساحر'' [3] اور ازین قبیل مشرقی فسانوں سے ھوا ھو؛ اُس کے لیے یہ چیزیں' اُسی طرح دور از قیاس و نامقبول نہیں تھیں جس طرح کہ بیسویں صدی کے ذکور و اناث کے لیے' الہ دین و علی بابا ' دور از قیاس و نامقبول نہیں ھیں -

الف لیلہ سب پر غالب رھی - اُس میں ایک عنصر ایسا تھا جو تخیل پر اثر کرنے میں کبھی ناکام نہیں ھوا - یہ صرف اُن قصوں کی شوخ رنگی یا ندرت ترتیب ھی نہیں تھی - حالانکہ خود اِس چیز نے بھی اُس کے مقلدین کی قسمت بنا دی تھی - بہ آں ھمہ سحر و فن و اسرار ' وہ حقیقت کی مضبوط چٹان پر قائم ھے - ھو سکتا ھے کہ اُس کے کردار معیاری و غیر ارتقائی ھوں؛ لیکن اُس کی مہم پسندی' خیالی نہیں؛ بلکہ حقیقی ھے؛ جس کو ڈرامائی انداز میں پیش کیاگیا ھے- اُس کی اثر انداز جدت اور زور تخیل کی تہ میں اخلاقی تخم بچھے ھوئے تھے؛ جن کے بغیر وہ اھل یورپ کے دلوں پر اِتنا گہرا اثر کر سکتی اور نہ پوری دو صدیوں تک عالم و عامی دونوں کے مرغوب خاطر ھوتی - حقیقی مشرق زیادہ واضح ھوا؛ اور ساتھ ھی اُس کا اثر بڑی زیادہ قوی ھونے لگا - کیونکہ اب وہ مبالغہ آمیز زبان و بیان کی بوجھل زنجیروں سے آزاد ھو چکا تھا ؛ جنھوں نے اب تک اُس کو مستور کر رکھا تھا -

یہ حقیقت فراموش نہ کرنا چاھیے کہ یورپ' مشرقی تفکرات اور اُس کے حقیقی ادب سے ھنوز بہت بڑی حد تک نا واقف تھا - جب

Maugraby the Magician – 1

ولیم جونس [1] نے سنہ ۱۷۷۴ع میں "ماہر لسانیات کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک صاحب ذوق کی حیثیت سے اور ترجمان کی طرح نہیں بلکہ بطور شاعر کے" لاتینی زبان میں "ایشیائی شاعری پر تبصرے" [2] شائع کیے؛ تو گویا ایک نیا ورق اُلٹا گیا - مغربی یورپ کے مہذب اور قدیم ادب پڑھے ہوئے حلقوں کو، پہلی مرتبہ عربی و فارسی شاعری کی خوبیوں کو سمجھنے اور اُس سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا - لیکن فرانس و انگلستان، دونوں جگہ کا ادب، قواعد و ضوابط کی زنجیروں سے گراں بار تھا - یہ بات صرف جدید جرمن تحریک کے علم برداروں ھی کے حصے میں آئی تھی کہ وہ اسلامی مشرقی شاعری کے امکانات کا ادراک کریں - یہ لوگ ادب کے آزاد نمائندے اور مذاق عامہ کے غلام نہیں؛ بلکہ اُس کے آفریدہ تھے - علاوہ ازیں فارسی شاعری پہلے ھی سے جرمن ادب پر اپنے نقوش ثبت کر چکی تھی - ایک صدی سے کچھ مدت پہلے، عالم و سیاح اولی‌ریس [3] نے سعدی کی گلستان و بوستان کا ترجمہ کر ڈالا تھا - اِن ترجموں نے "رائج‌الوقت جرمن کو تازگی بخشی اور اُس میں مفید محرکات کا اضافہ کیا" [4] - فارسی کا مسلسل اثر، مثال کے طور پر "داستان یوسف" مصنفۂ گریمل‌ھاوسن [5] کے قصۂ یوسف زلیخا میں دیکھا جا سکتا ھے - دوسری طرف اٹھارھویں صدی کے ادب میں سوائے مروجہ فرانسیسی مشرقیت کے اور کچھ نہیں دکھائی دیتا - لسنگ [6] نے اپنی اخلاقی تصنیفوں کو مشرقی طرز پر ترتیب دیتے ہوئے، والتیر کی اتباع کی ھے - اور رومانی دبستان کی ابتدائی پیداوار جیسے اوھلن شلیگر [7] کی

1—William Jones 2—Commentaries on Asiatic Poetry

3—Olearius 4—عام جرمن سوانح، ج ۲۴ ، ص ۲۷۵- Allgemine deatsche Biographie
اولی‌ریس نے سنہ ۱۶۷۱م میں وفات پائی -

5—Grimmelshasen 6—Lessing 7—Oehlenschlager

''علی اور گل ہندی'' اٹھارھویں صدی کی محض خیالی تصنیفوں کی نمایاں مثال ھے - اور اُس کا نسبتاً بعد کا ڈراما ''الہ دین'' (سنہ ۱۸۰۸ع) الف لیلہ کی کہانیوں' پریوں' بھوتوں اور ہندی حکایتوں سے مرکب ھے - لیکن بااین‌ھمہ اِس سے مشرق کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کی علامتیں ہویدا ھیں؛ جس نے آخرکار ایسی تمام چیزوں کو مزاحیہ نقلوں کے لیے چھوڑ دیا -

مشرق کو حقیقی طور پر سمجھنے میں' جرمنی' متعدد ممتاز عالم شعرا کا رھین منت ھے؛ جنھوں نے سر ولیم جونس کے شروع کیے ھوئے کام کو جاری رکھا - حصول علم' جرمنی میں' رومانی تحریک کی خصوصیت تھی؛ اور ھرڈر [1] کے اثر سے' اِس شوق مطالعہ کا دامن' مشرقی ادبیات و خیالات تک وسیع ھو گیا - پہلی نسل میں شلیگل [2] اور ھیامر [3] نے اور دوسری میں روکرٹ [4] نے مغربی شاعروں و محرروں کو نئے اور قریباً غیر متوقع خزانوں سے روشناس کرایا - اِس طرح مشرقی ادب (ھندی' فارسی و عربی) اُنیسویں صدی کے جرمن ادب میں اِس حد تک سرایت کرنے کے قابل ھو گیا کہ قرون وسطیٰ کے اسپینی ادب کے بعد' یورپ میں اِس کی کوئی نظیر نہیں ملتی - ''مغربی گلستان'' کا پہلا اور حسین ترین پھول گوئٹے کا '' مغربی مشرقی دیوان '' تھا [5] - اُس کے بعد آنے والے' جنھوں نے اپنے ذاتی مطالعے کے لیے مشرقی نمونوں کو پڑھا اور اُن کا ترجمہ کیا تھا ' اور آگے بڑھے - گو اُنھوں نے پلاٹن کی طرح نہیں کیا' جو فارسی اوزان تک استعمال کرنے لگ گیا تھا ؛ البتہ روکرٹ کی طرح' فارسی تخیلات و فارسی تشبیہات و اِستعارات

1—Harder 2—Schlegel 3—Hammer 4—Ruckert
5—Goethe's West ostliche Divan

کی اقتدا کر کے اُن کو زندہ ضرور کیا - دوسری طرف، مشرقی شاعری میں گوئٹے نے سب سے پہلے وہ مقام دریافت کر لیا تھا جہاں اپنے زمانے کی بھیمانہ حقیقتوں سے نکل کر، وہ عالم خیال میں پہنچ جاتا - صرف تقلید سے اُس کی تشفی نہیں ہو سکتی تھی - فارسی شاعری کے تصورات اور اُس کی فنی خوبیوں کو یورپ کی ادبی روایات کے ''رومانی'' اور عہد وسطی اجزا کے ساتھ مربوط و مسلسک کر کے، جن سے فارسی شاعری کے تصورات انتہائی قریبی تطابق رکھتے تھے، اُس نے خاص اپنے اظہار خیال کے لیے ایک نئی طرز ایجاد کی؛ اور ساتھ ھی ادبیات عالم پر بھی زور دیتا گیا، جس سے اُس کا مقصد اِس مطمح نظر کو جرمن ادب پر عائد کرنا تھا[1] -

فارسی و ھندی رنگ ڈھنگ، ایک مدت تک میدان میں تکے رھے - حتیٰکہ ھائنے[2] بھی اُس کی مذمت میں کوئی کمی نہ کرنے کے باوجود، اپنی غنائی نظموں کو اُس کے رنگ سے پوری طرح الگ نہ رکھ سکا - لیکن آخرکار، یہ مشرقی طرز ناکام ھوا؛ اور اِس کا ناکام ھونا ضروری تھا - یہ حرارت خانے کا پودا تھا ؛ اور بغیر پیوند لگائے، یورپی زمین میں، اِس کا جڑ پکڑنا ممکن نہیں تھا - اِس نظریے میں بڑی صداقت ھے کہ جو شاعر مشرقی خیالات میں جتنا زیادہ ڈوبا ھوا ھوتا ھے، ادبی نقطۂ نظر سے اُس کی شاعری اُتنی ھی غیر اھم ھوتی ھے - گوئٹے کی بالغ نظری نے، طبعاً حافظ کے اُن تمام عناصر کو خارج کر دیا ، جو اُس کو اپنے ماحول کے ناموافق نظر آئے؛ لیکن اِس کے باوجود، دیوان مغرب اُس کی تمام پیداوار میں سب سے بہتر نہیں ھے - صرف بوڈن اسٹیڈ[3] اپنی پرآورد تصنیف ''مرزا شفیع''

1—جرمنی کی رومانی تحریک میں مشرقی عناصر دیکھنے کے لیے ملاحظہ ھو ریمی (Remy) جامعۂ کولمبیا - تحقیقات، جلد اول، شمارہ ۴ نیویارک -

Boden stedt's Lieder des Mirza Schaffy.—3 Heine—2

کے گیت کے ذریعے عوام کے تخیل کو متأثر کرنے کے قابل ہوا - اگر رومانی تحریک کی، جرمن مشرقی شاعری کو، ادبی حیثیت سے زیادہ بلند مرتبہ نہ دیا جا سکے؛ اور مشرقی شاعری سے موجودہ مغربی شاعری کو ملاکر کوئی نئی چیز پیدا کرنے کا افتخار بھی نہ بخشا جائے؛ تب بھی اُس نے اپنے ترجموں اور تالیفوں کے ذریعے، یورپی ورثے میں، آخرکار قیمتی اضافہ کیا؛ اور ایسا دروازہ کھولا جو پھر کبھی بند نہیں ہوا -

جرمن ادب میں، مشرقی دھاروں کے جزوی داخلے سے، یہ توقعات ہو سکتی تھیں؛ چنانچہ واقعتاً [1] ہوئیں بھی؛ کہ یہ تحریک زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلے گی - لیکن اُنیسویں صدی میں انگلستان و فرانس کے ادب نے اُن توقعات کو بالکل پورا نہیں کیا - اچھا ہوا یا بُرا، بہر طور، مغرب یکایک مشرق سے اِتنا دور ہو گیا جو اِس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا - اپنے جدید فلسفوں، سیاسی نظریوں، نت نئی ایجادوں اور صنعتی ترقیوں کی کثرت سے، اہل یورپ اِتنے حیران و پریشان ہوگئے تھے کہ وہ مشرقی آواز پر کان دھرنے کے قابل نہیں تھے - اور اُس کے خیالات کو صبر و سکون سے سمجھنے کی کوشش کرنے کے لیے تو وہ اِس سے بھی کم تیار تھے - گوئٹے کے عالمی ادب کا مطمح نظر، قومیت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا؛ اور خود جرمنی میں اُس کا وجود ختم ہوگیا - تاہم اُنیسویں صدی اور خود ہمارے زمانے کے ادب میں، مشرق اور خصوصاً اِسلامی مشرق نے جو جگہ حاصل کر لی ہے؛ وہ کلیتاً نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے - یہ بظاہر اُلٹی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب کہ اُس نے مغربی

1—اِس کا مقابلے شوپن ہاور کے اِس جملے سے کیجیے جو برانتیر نے نقل کیا ہے (تحقیقات، ج۸، ص۲۱۱) ''سولھویں صدی، یونانی رومی علوم قدیم کی دریافت یا علم کے لیے جتنی ممنون اِحسان تھی : اُنیسویں صدی، قدیم مشرقی دنیا کے لیے اُس سے زرا بھی کم ممنون اِحسان نہیں'' -

قوموں کے تخیل پر اپنی بےنظیر قوت جاذبہ کا اثر دکھایا ؛ مشرقی ادب کی خوبیوں کو پس پشت ڈال دیا گیا - کم سے کم جزوی طور پر اِس مظہر کی توضیح اُس فرق میں تلاش کرنا چاھیے جو باعتبار کیفیت فرانس و انگلستان کی رومانی تحریک اور اُس تحریک کے درمیان ھے جس کا علمبردار ھرڈر تھا -

فرانس میں رومانی تحریک سے جدید مشرقیت کے آثار بہت کم نمایاں ھیں؛ کیوںکہ فرانس کی رومانی تحریک، جرمنی کے بہ نسبت کم بارآور ھونے کے علاوہ، علمیت کے ساتھ ساتھ نہیں چلی - علاوہ ازیں وہ گوئٹے اور شلر[1] سے زیادہ اسکاٹ [2] اور بائرن[3] کے زیر اثر تھی - سیاسی تعصب اور فرانسیسی ادب کی اُس صفت نے، جس کو ظاھر کرنے کے لیے صوبہ‌واریت شائد زیادہ سخت لفظ ھے، وھاں کے شاعروں اور محرروں کو ایسی چیزوں کی طرف متوجہ رکھا ؛ جو اُن کے وطن سے زیادہ قریب تھیں - یہ بات نہیں تھی کہ مشرق نظرانداز کر دیا گیا ھو - بلکہ اِس کے خلاف " چودھویں لوئی کے زمانے میں[4] " وکٹرھیوگو[5] " مشرقی لوگ " کے دیباچے میں رقم طراز ھے : " ساری دنیا یونانی تھی اور اب مشرقی ھے " - اور مشرقی دنیا سے اُس نے گہری شعری ھمدردیوں کا اعتراف کیا ھے - ایسا معلوم ھوتا ھے کہ " مشرق میں اُس کو بہت دور سے ایک مالا مال شعری فن کی کرن نظر آتی تھی - یہ ایک ایسا چشمہ تھا جس سے وہ اپنی پیاس بجھانے کا مدت سے متمنی تھا - قرون وسطیٰ کی طرح اِس دوسرے شعری سمندر میں ھر چیز وسیع، خوبصورت اور تخلیقی ھے " - لیکن اِس اظہار کے باوجود اُس کی نظموں

---

1 — Schiller

2 — Scott

3 — Byron

4 — Louis XIV

5 — Victor Hugo's Les Orientales

میں، قابل لحاظ مشرقی اثرات کا سراغ لگانا بہت مشکل ہوگا - لیکن وہ اُن فارسی شعرا کے اثرات سے یقیناً مستثنیٰ ہیں، جو گوئٹے اور دوسرے جرمن شاعروں کو مسحور کرچکے تھے - اُس کی همدردیاں زیادہ تر عرب شاعروں کے ساتھ تھیں - ''عربوں سے ایرانیوں کی طرف آنا تکلیف دہ تبدیلی ہے - گویا جواں مردوں کی قوم سے نکل کر صنف نازک کے مجمع میں آنا..........غلام قوم، جی حضوری شاعری! ایرانی، ایشیا کے اطالوی ہیں'' - اُس کے لیے مشرق، ''مشرقی لوگ'' کی طرح ''زمزمی'' کا مشرق، اب بھی اصلاً اٹھارھویں صدی کی روایات کے مطابق جگمگاتا ہوا نیم‌مہذب مشرق تھا - یعنی ایسا مشرق جس کو گاتر [1] نے فارچونیو [2] کے کردار میں مشکّل کیا ہے؛ یا آراستہ و پیراستہ بائرنی مشرق؛ نہ کہ عالموں اور شاعروں کا پر حکمت اور نغموں سے معمور مشرق - جس طرح ڈی لاکرو [3] نے الجیریا سے متعلق موضوعوں کی لفظی تصویریں کھینچی ہیں؛ اُسی طرح اُس نے مشرق کو گہرے رنگ کے فنی اثر کے لیے استعمال کیا ہے - یہی بات قریباً ہر فرانسیسی رومان نویس کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے - گیرارڈ ڈی نرول [4] اور گیٹر اکبر [5] کی طرح، بعض تو مشرق سے حقیقی وابستگی محسوس کرتے تھے، اور یہ جرمن دبستان کے زیادہ زیر اثر تھے؛ لیکن اِن کی مشرقیت، اختراعی حیثیت سے، زیادہ تر دوسرے درجے کی ہے - برانتیر کے لفظوں میں مشرقی چیزیں دن پر دن مانوس تو ہوتی جارہی تھیں لیکن تہ تک نہیں پہنچ رہی تھیں -

انیسویں صدی میں، انگریزی ادب، مادی طور پر، بالکل فرانسیسی ادب کے هم‌پایہ ہی رہا - جیسا کہ توقع ہو سکتی تھی، جدید مشرقیت

Delacroix—3 Fortunio—2 Gautier—1

Gautier, the Elder—5 Gerard de Nerval—4

کا اثر زیادہ نمایاں تھا؛ لیکن اب بھی اُس نے پس منظر کی آرائش سے زیادہ کوئی اور خدمت انجام نہیں دی: جس کی تزئین و آرائش مقامی رنگ سے کی جاتی تھی - اور اِس چیز پر رومان پسندوں کو اصرار تھا - یہ چیز' اسکاٹ اور جرمن تحریک سے ورثے میں آئی تھی - بائرن ایسا شخص ہے' جس نے اِس مشرق کو عام پسند بنایا اور اِس کی کلاسک مثال' مُور [1] کی ''لالہ رخ'' ہے - اب الف لیلہ کا اثر ''خاکہ قصوں'' [2] کے چند اجزا تک محدود رہ گیا اور نظموں کے معترضہ قصوں کی بنیاد جونس ڈی ھربی لاٹ [3] اور دوسرے مستشرقین کی تصنیفوں پر رکھی جانے لگی - مُور اپنے خیالات کو مشرقی تخیلات و مشرقی طرز ادا میں گم کرنے کے لیے دو سال تک علحدہ رہا اور نتیجے سے خود بھی مطمئن رہا [4] - لیکن اِس کے باوجود اُس کی نظمیں ایسی ہیں' گویا اسکاٹ کی استعمال کردہ بحروں کو صرف اُن کے اصلی مقام سے نکال کر ہندوستان میں منتقل کر دیا گیا ہے - اِن کے علاوہ تو بڑے بڑے شعرا کے پاس مشرقیت کا مقام' نظر انداز کرنے کے قابل ہے- ''سہراب و رستم'' ''فرشتے کی خیال آرائیاں [5] '' اور اِسی طرح کی دوسری نظموں میں' سوائے ناموں کے اور کوئی مشرقی بات نہیں ہے - جہاں تک منثور ادب کا تعلق ہے' سگپات [6] ' الف لیلہ کے نمونوں کی تقلید کرنے کی حیثیت سے' تنہا ہے -

تو اب' اِس بظاہر اُلٹی بات کا یہ حل معلوم ہوا کہ جہاں تک اسلامی مشرق کا تعلق ہے' خود اپنے تخیل کے رومانی منظر سے چمٹے رہنے

1—Moore 2—Frame-story 3—d'Herbelot

4—''گو بذات خود میں نے کبھی مشرق کا سفر نہیں کیا ' لیکن مشرق میں رہا ہوا ہر شخص کہتا ہے کہ لالہ رخ میں میں نے وہاں کے لوگوں اور اُن کی زندگی کے متعلق جو کچھ پیش کیا ہے اُس سے زیادہ مکمل بیان ہونا ناممکن ہے'' -

5—Ferishtah's Fancies 6—Shagpat

نے انگلستان و فرانس کے شاعروں اور نثر نگاروں کو اُس پس پردہ حقیقت کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیا' جس نے اُن کی اِتنی اچھی خدمت انجام دی تھی - مشرق کو صرف رنگ آرائی کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ؛ اور اُس کے اِس دعوے کو' کہ اُس نے بھی انسان کے روحانی ورثے کی خدمت کی ہے' بےخبری سے پس پشت ڈال دیا جاتا تھا - اِس سے بہت پہلے' سر ولیم جونس نے کہا تھا کہ ایشیا کی طبعی تاریخ اور وہاں کی قوموں کے متعلق علمی معلومات کے بغیر' ایشیا کی شاعری سے لطف اندوز ہونا ممکن نہیں - جب تک اِس قسم کی ناگزیر معلومات چند پادریوں اور دیوانی کے ملازموں کی حد تک محدود رہیں؛ یورپ پر مشرقی ادب و فلسفہ کے تخلیقی اثر کا سوال' پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا - جن لوگوں نے مشرق کو پوری طرح سمجھا اور بیان کیا تھا ' جیسے گوبی‌نے [1] اور موریر [2] ' جن کے بیانات ایک حد تک طنز آمیز ہمدردی پر مشتمل تھے؛ وہ بلا شبہہ کسی نہ کسی حد تک مشرقی ادب و مشرقی زندگی کے رہین ملت تھے - لیکن یہ ایسا احسان ہے جس کا آسانی سے اندازہ نہیں کیا جا سکتا -

بایں‌ہمہ' اُنیسویں صدی بھی' مشرق و مغرب کے لازمی رشتے کا ثبوت پیش کیے بغیر' نہ رہ سکی- ٹھیک اُسی طرح' جس طرح ایک انگریز نے اپنی کتاب ''واثق'' میں' مشرقی اور غوطی قصوں کا امتزاج پیش کیا تھا ؛ اُسی طرح اِس وقت بھی ایک انگریز ہی نے ایک مشرقی شاعر کی اُس قوت کا مظاہرہ کیا جو مغربی شاعری کے قلب کی گہرائی تک اثر کرنے والی تھی - فٹزجرالڈ [3] کے عمر خیام میں' حقیقی فارسیت کے ساتھ سچی انگریزیت بھی ہے؛ ترجمہ نہیں بلکہ تخلیقی جوہر - اِن مشہور

Fitzgerald—3 Morier—2 Gobineau—1

رباعیوں میں، جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے؛ گو وہ پرشکوہ و پرعظمت نہیں ہیں؛ لیکن ساتھ ہی وہ اپنے زمانے کی حقیقی آواز ہیں - اور انگریزی رباعیوں نے اپنے زمانے کی اُسی طرح بدرجۂ کمال نمائندگی کا حق ادا کیا ہے؛ جس طرح آٹھ سو سال قبل فارسی رباعیوں نے اصفہان کے مہذب ''معاشرہ'' کی شایستہ لذتیت کا مظاہرہ کیا تھا -

یورپ کے ادبی میدان کی طرف پلٹ کر نظر دوڑائیں، تو پہلے پہل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی مشرق کے ادبیات کا اثر، ایک تنگ و غیرتخلیقی حصے تک ہی محدود رہا - لیکن جب یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ مشرق، یورپی روح میں سرایت کر کے اُس کی ماہیت بدل دینے کا باعث ہوا ہے، تو تب ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اہمیت کا دائرہ نہائت وسیع ہے - اگر ہماری نظر صحیح ہے، تو تین مختلف دوروں میں اُس نے مغربی ادب پر اپنا اثر ڈالا ہے؛ جس کے نتائج باعتبار مدارج نہیں تو اصلاً یکساں تھے - ہر موقع پر اُس کا فریضہ، تخیل کو تنگ و جابرانہ قوانین سے آزاد اور قید و بند کی دیواروں میں پہلا شگاف پیدا کرنا تھا - مشرقی ادب نے، اپنی اُس قوت کی وجہ سے، جس نے تخلیقی رجحان کو، جواب تک معطل یا ضعیف تھا، آمادۂ عمل کر دیا ؛ مغرب کو اپنا زیر بار احسان کیا ہے - تحریک جب ایک مرتبہ شروع ہو چکی، تو اُس نے اپنا معیار حرکت، اپنے ہی اندرونی ذرائع سے حاصل کیا؛ اور ایسے مشرقی اجزا جو جذب ہو چکے ہیں، مقامی اجزا سے اِس طرح گھل مل گئے کہ ارتقائی صورت میں اکثر و بیشتر اُن کا پہچاننا مشکل ہے - جہاں تک مشرق نے یورپی ادب کے لیے نمونوں کا کام دیا ہے؛ اُس نے ضمنی خدمت انجام دی ہے - قرون وسطیٰ میں، جب کہ اسلام اور عیسائیت کی تہذیبوں کے عقلی منہاج، مادی طور پر یکساں تھے؛ آخرالذکر کے لیے اسلام کا اتباع کرنا

اچھی طرح ثمرآور ہو سکتا تھا - نشأۂ ثانیہ کے بعد اُس نے زیادہ سے زیادہ صرف بےضرر عجائبات پیدا کیے - اِسی وجہ سے مشرقی ادب سے قرون وسطی تفکرات کے ارتباط کا نتیجہ، بعد کے ارتباطوں کی بہ نسبت ناقابل مساعدت حد تک بڑھا ہوا ہے -

اِن تین غیر ارادی تعلقات کی تحریکوں کے بعد جرمنی، رومانیوں نے دوبارہ مشرق کا رخ کیا اور پہلی مرتبہ ارادی طور پر اُنھوں نے اپنا مقصد مشرقی شاعری کے حقیقی ورثے کا کوئی نہ کوئی رشتہ دریافت کرنا قرار دیا؛ تاکہ اِس ذریعے سے اُس کو مغربی شاعری میں داخل کر سکیں - معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی، اپنے جدید شعور قوت و برتری کی بنا پر، اُن کے منصوبوں کے علی‌الرغم صرف دروازہ کھٹکھٹاتی رہی - دوسری طرف آج کل تغیر کے آثار رونما ہیں - علمی مقصد سے، مشرقی ادب کا مطالعہ، دوبارہ شروع ہو چکا ہے اور مشرق کو نئی طرح سمجھا جا رہا ہے - جوں جوں یہ علم پھیلتا جائے گا اور مشرق، انسانیت میں اپنا صحیح مقام پھر سے حاصل کر لے گا ؛ تو ممکن ہے کہ پھر مشرقی ادب اپنا تاریخی وظیفہ نئے سرے سے انجام دے؛ اور ہم کو تنگ و جابرانہ تصورات سے نجات دلائے؛ جو ادب، فلسفہ اور تاریخ کی ہر قابل قدر شے کو، کرۂ ارض کے صرف ہمارے حقیر خطے ہی تک محدود کر دیں گے -